کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:7 July 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.Idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد رکھوں گا	مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۵
درسِ حدیث	مقامِ تقویٰ، مشتبہ چیز سے بھی پرہیز ضروری	مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۷
پیشِ گفتار	موجودہ حالات میں علماء سے مطلوب کردارِ عزیمت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۷
دعوتِ فکر ونظر	مدارس کا قیام، تحفظ اور ترقی کے اصول	مولانا عبداللطیف قاسمی	۲۰
"	اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی	مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی	۲۷
اصلاحِ معاشرہ	رمضان کیا پیغام دے گیا؟	مولانا سید احمد ومیض ندوی	۳۱
"	خودکشی اسباب وعلاج	مولانا محمد عبدالعلیم اطہر قاسمی	۳۵
اسلامی ماہ وسال	ماہِ شوال المکرم اسلامی تاریخ میں	مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۰
عالمِ اسلام	فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات	مولانا ندیم الواجدی	۴۵
فقہ وفتاویٰ	طواف سے متعلق چند احکام	ادارہ	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: تم مجھ کو (منعم ہونے کی حیثیت سے) یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا، اور میری (نعمت کی) شکر گذاری کرو اور (انکارِ نعمت یا ترکِ اطاعت سے) میری ناسپاسی مت کرو۔

تشریح: ذکر کے اصلی معنیٰ یاد کرنے کے ہیں، جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمانِ قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو، مولانا رومیؒ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے ؎

بر زباں تسبیح در دل گاو خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو اور ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں، حضرت ابوعثمانؒ سے کسی نے ایسی ہی حالت کی شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر قلوب میں اس کی کوئی حلاوت محسوس نہیں کرتے، آپ نے فرمایا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو یعنی زبان کو تو اپنی طاعت میں لگا لیا (قرطبی)۔

ذکر اللہ کے فضائل بے شمار ہیں، اور یہی ایک فضیلت کچھ کم نہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد فرماتے ہیں، ابوعثمان نہدیؒ نے کہا کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد فرماتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ فرمایا: اس لئے کہ قرآن کریم کے وعدے کے مطابق جب کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے یاد کرتے ہیں، اس لئے سب کو یہ سمجھ لینا آسان ہے

کہ جس وقت ہم اللہ کی یاد میں مشغول ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی یاد فرمائیں گے۔

اور معنیٰ آیت کے یہ ہیں کہ تم مجھے اطاعتِ احکام کے ساتھ یاد کرو تو میں تمھیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا، حضرت سعید بن جبیرؓ نے ذکر اللہ کی تفسیر ہی طاعت وفرمانبرداری سے کی ہے وہ فرماتے ہیں: فمن لم یطعه لم یذکره وان کثر صلوٰته وتسبیحه ''یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا، اگرچہ اس کی نماز اور تسبیح کتنی بھی ہو''

قرطبی نے بحوالہ احکام القرآن ابن خویز منداد ایک حدیث بھی اس مضمون کی نقل کی ہے۔۔۔۔۔جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی یعنی اس کے احکام حلال وحرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اس کی (نفل) نماز روزہ وغیرہ کم ہوں، اور جس نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا، اگرچہ (بظاہر) اس کی نماز، روزہ، تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اس کے مقابلے میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے، اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے ساری چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا کر دیتے ہیں؛ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ انسان کا کوئی عمل اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ کے برابر نہیں، اور بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت سے ذکر اور نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماخوذ: از معارف القرآن)

(بقیہ صفحہ ۸ سے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقوے کی بنیادی شرط ہے اُس کے بعد آپ نے قلب کے بارہ میں یہ آگاہی دی اور یہ بتلایا کہ انسان کی سعادت وشقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح وفساد پر ہے اُس کی حفاظت اور نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قالب اور ظاہر سے زیادہ باطن کی فکر رکھتے ہیں؛ حضرات صوفیاء کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انھوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ آمین

بعض شارحینِ حدیث نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

درسِ حدیث

مقامِ تقویٰ، مشتبہ چیز سے بھی پرہیز ضروری

مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ*

عَنِ النُّعمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وَسلّمَ الْحَلالُ بيّنٌ و الحرامُ بيّنٌ وَبَينَهُما مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثيرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ اِتَّقى الشُّبُهاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِينِهٖ وَعِرضِهٖ وَمَنْ وَقعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعىٰ حَوْلَ الحِمىٰ يُوْشِكُ اَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمىً اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ، اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجسدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہِ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا، اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہوگا وہ (خدانہ کرے) حرام کے حدود میں جا گرے گا، اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چَراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہوکر چَرنے لگیں (جو قابلِ سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حِمیٰ (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کے حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حِمیٰ (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہیئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار! انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ایک ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہے (یعنی اس میں نورِ ایمان، خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال واحوال صحیح ودرست ہوتے ہیں) اور اگر اُس کا حال خراب ہو تو سارے جسم کا حال بھی خراب ہوتا ہے (یعنی اس کے اعمال واحوال خراب ہوجاتے ہیں) آگاہ ہو! گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔

تشریح: حدیث کے پورے ذخیرے میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہاء نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے، انہی میں سے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشادِ مبارک میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں اُن کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے، لیکن اُن کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہوگی، مثلاً شریعت کے اصول کی روشنی میں اُن کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جاسکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارہ میں بندۂ مومن کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ازراہِ احتیاط وتقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے ــــــ آگے آپ نے فرمایا کہ ــــــ ''جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہوجائے گا'' پھر اسی بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اُس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چَرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کو چَرانا حرام ہے تو بعید نہیں کہ اس کے جانور کسی وقت اُس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چَرنے لگیں، پس جس طرح چَرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے قریب بھی نہ جانے دے تو اسی طرح بندۂ مومن کو چاہیئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے، اس طرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا یہی مقامِ تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار، سعادت وشقاوت کا دار ومدار اس کے قلب کے حال پر ہے جو انسان کے پورے جسمانی وجود اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہوگا اور اس میں خدا کی معرفت اس کا خوف اور ایمان کا نور ہوگا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال واحوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد وبگاڑ ہوگا اور اُس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہوگا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہوگا اور اس کے اعمال واحوال شیطانی وحیوانی ہوں گے۔ اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے اُس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا ایک خاص عضو اور مضغۂ لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اُس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔ (بقیہ صفحہ ۶ پر)

پیش گفتار

موجودہ حالات میں علماء سے مطلوب کردارِ عزیمت

اعتکاف، پھر اس کے بعد مدرسے کے انتظامی مسائل کی مشغولی کی وجہ سے اداریہ لکھنے کی نوبت نہ آسکی، آج ہی روزنامہ منصف کے ''شمع فروزاں'' میں معروف عالم دین اور دور اندیش فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کا درجِ ذیل مضمون پڑھا تو خیال ہوا کہ اسی کو قارئینِ اشرف الجرائد کی خدمت میں پیش کردیا جائے، کیوں کہ اس سے عوام اور علماء دونوں ہی کو نفع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ از: مدیر

اگر ہم گذشتہ چند صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد ایک ایسا دور گذرا، جب عیسائی دنیا پستی اور تنزلی کے دلدل میں پھنسی رہی پھر جب اس وقت کی ترقی یافتہ قوم امتِ مسلمہ سے علم کی روشنی اسپین کے راستہ یورپ تک پہنچی تو مغرب نے ایک نئی کروٹ لی اور اس کی بیداری صنعتی ترقی کے اس عظیم واقعہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جس کا تسلسل اب تک جاری ہے، مغرب کی مادی اور علمی ترقی نئی نئی منزلیں فتح کررہی ہے اور مسلسل آگے کی طرف جارہی ہے اور مسلمانوں کے ادبی اور علمی زوال کی داستان بھی دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے، اس ترقی کا سہارا لے کر ایک نئی صلیبی جنگ استعماریت کی شکل میں شروع ہوئی، جس نے ایشیاء وافریقہ اور خاص کر عالم اسلام کے بڑے حصے کو فتح کرتے ہوئے اسے اپنی نو آبادی بنالیا، یہ استعماریت آخر اس وقت تک جاری رہی، جب تک خلافتِ عثمانیہ کا سقوط نہ ہوگیا اور عالم اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہوگئی۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ مسلم ممالک کو آزادی نصیب ہوئی؛ لیکن اکثر و بیشتر یہ نام نہاد آزادی تھی، ان کے

گلے میں غلامی کا ایسا طوق پہنایا گیا جو آنکھوں کو نظر نہ آئے؛ لیکن وہ جسم ہی کی غلامی نہ ہو؛ بلکہ دل ودماغ کی بھی غلامی ہو، جس میں ایک قوم خود اپنے بارے میں فیصلہ کرتی ہوئی نظر آئے لیکن اس کی حیثیت اس جہاز کی ہو جسے ریموٹ کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے، اسی دور میں کارل مارکس نے کمیونزم کا صور پھونکا اور دنیا کے دو بڑے ممالک روس، چین اس نئے فلسفہ حیات اور نظامِ معیشت پر ایمان لے آئے، کمیونزم سرمایہ داری کے خلاف اعلانِ جنگ تھا، اب دنیا میں فکری اعتبار سے تین فریق بن گئے، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، مشرق کا اشتراکی نظام، اور اسلام، اگرچہ ان دونوں نظام ہائے حیات کو اسلام سے بغض تھا؛ لیکن چوں کہ عالم اسلام اپنی پستی اور کمزوری کی وجہ سے کمزور دشمن شمار کیا جاتا تھا؛ اس لئے اصل سرد جنگ مغربی قوتوں اور اشتراکیت کے حامل مشرقی ملکوں کے درمیان قائم رہی، اس سے ایک توازن قائم تھا، بغض وعناد رکھنے کے باوجود یہ دونوں بڑی طاقتیں مسلم ملکوں کو اپنا ہم نوا رکھنا چاہتی تھیں، اور چوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک مذہب کی بالکل نفی نہیں کرتے تھے؛ اس لئے کمیونسٹ ملکوں کے مقابلہ میں عالم اسلام اور مسلمان مغربی قوتوں سے زیادہ قریب رہے، مغربی اقوام نے بھی یہ رویہ رکھا کہ وہ علی الاعلان کمیونزم کے خلاف تو بولتے تھے اور اپنے ذرائع ابلاغ بھی ان کے خلاف خوب خوب استعمال کرتے تھے؛ لیکن اسلام اور مسلمانوں کو براہِ راست نشانہ بنانے میں کسی قدر رعایت سے کام لیتے تھے۔

کمیونزم کی بنیاد ایسے اصولوں پر تھی، جو پوری طرح فطرت سے متصادم تھے؛ اس لئے صرف ستر سال کے اندر ہی اس کی جائے پیدائش ہی اس کا مدفن بن گیا، اس نظام کا سب سے بڑا نمائندہ ملک اور سوپر طاقت ''روس'' خود اپنی وحدت کو بچا نہیں سکا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے، اب دنیا میں دو تصورات باقی رہ گئے، ایک اسلام، دوسرے مغربی تہذیب اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، دشمن کا مقابلہ کرنے اور کسی فکر کے تحفظ میں دو طرح کے لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، ایک حکومتوں کا، جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی ہے، جن کے پاس مادی وسائل ہوتے ہیں، جو زر وزمین کی مالک ہوتی ہیں، اس کو وجود میں لانے اور ترقی دینے کا کام انجام دیتی ہے اور اس کے لئے وسائل فراہم کرتی ہیں، دوسرے: وہ لوگ جو اس فکر کے ترجمان اور اس کے شارح ہوتے ہیں، جو فکری اعتبار سے اس کا دفاع کرتے ہیں، جو اپنی زبان اور قلم کے ذریعہ عوام کو اس سے وابستہ رکھتے ہیں، کسی بھی فکر کے بقا اور کسی بھی نظام کے دوام واستحکام کے لئے ان دونوں طبقوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ایک کے پاس فولاد کی طاقت ہوتی ہے، دوسرے کے پاس علم کا ہتھیار ہوتا ہے، ایک نوک شمشیر سے میدان سر کرتا ہے، دوسرا زبان وقلم سے، ایک زمین کو فتح کرتا ہے اور دوسرا دل ودماغ کو۔

چنانچہ اب مشرق ومغرب کی پوری طاقت اسلام، مسلمان اور عالمِ اسلام کی طرف متوجہ ہے، مسلم حکومتوں کو زیر کرنے میں انھیں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی؛ کیوں کہ خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی، جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، ان کو مزید کمزور کرنے کے لئے دو خصوصی تدبیریں اختیار کی گئیں، ایک یہ کہ ان کے زیادہ سے زیادہ ٹکڑے کر دیے گئے، اتنے چھوٹے چھوٹے ممالک بنا دیئے گئے کہ بعض شہر بھی ان میں بعض ملکوں سے بڑے ہوں گے، اس طرح ان کی طاقت ٹوٹ گئی، قدرتی وسائل بٹ گئے، افرادی وسائل کم ہو گئے اور یہ بھی کوشش کی گئی کہ ان ملکوں کو پروانہ آزادی دیتے ہوئے سرحدوں کا اختلاف باقی رکھا جائے، اس اختلاف کے ذریعہ ان کے درمیان نفرت کی بیج بوئی گئی اور اسے مسلسل پروان چڑھایا گیا، آج اکثر مسلم ممالک کی یہی صورت حال ہے، سعودی عرب اور کویت سعودی عرب اور یمن کے درمیان سرحد کا اختلاف موجود ہے، قطر اور بحرین کے درمیان جھگڑا ہے، کویت کو عراق سے اور متحدہ عرب امارات کی ایران سے لڑائی ہے، مصر اور سوڈان کے درمیان اختلاف ہے، خود سوڈان میں عرب اور غیر عرب قبائل کے درمیان نزاع ہے، فلسطین کی چھوٹی سی نامکمل حکومت کے دو حصے بنے ہوئے ہیں، شام اور ترکی کو ایک دوسرے سے بغض ہے، کرد، عراق، ترکی اور شام سے نبرد آزما ہیں، پاکستان اور افغانستان کے درمیان کدورتیں ہیں، بنگلہ دیش میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ہے، غرض شرقِ بعید کے دو تین مسلم ملکوں کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم ممالک اپنے مسلمان پڑوسی ملکوں سے یا ملک کے اندر دو طبقے ایک دوسرے سے برسرِ جنگ ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسلم ممالک کو حقیقی جمہوریت سے دور رکھا گیا؛ تاکہ وہاں ایسے لوگ نہ آجائیں، جو اسلام پسند ہوں اور مغربی تہذیب کے مقابلہ شریعتِ اسلامی کو نافذ کرنا چاہتے ہوں؛ اسی لئے انگلی پر گنے جانے والے تین چار مسلم ممالک کو چھوڑ کر تمام ملکوں میں دو طرح کے حکمراں تختِ اقتدار پر مسلط ہیں، ایک وہ جو خاندانی بادشاہت کے نمائندہ ہیں، وہاں یک خاندان کو ملک کے عوام اور اس کے وسائل کا مالک سمجھا جاتا ہے، وہ پیدائشی طور پر حکمراں ہوتا ہے، اس کی زبان قانون ہوتی ہے، عوام کی نہ حکومت میں شرکت ہوتی ہے اور نہ ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، ہاں! اگر اس حکمراں کے اندر ذاتی طور پر اللہ کا خوف، دین کی عظمت اور اپنے عوام کی محبت ہے تو اس کا رویہ بہتر ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ یہ کسی نظام کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ ایک شخص کے انفرادی اخلاق واوصاف کا اثر ہے؛ اس لئے اس میں دوام واستمرار باقی نہیں رہتا۔

دوسرے قسم کے ممالک وہ ہیں جہاں کسی فوجی جنرل نے اقتدار پر قبضہ کیا، پھر وہ ڈکٹیٹر بن گیا اور اس کے

بعد یہ ڈکٹیٹر شپ اس کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی، عوام کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جمہوری طور پر ان سے نجات پاسکیں، ان کے لئے نجات کی دو ہی صورتیں ہیں؛ یا تو کوئی فوجی یا ظلم وستم سے عاجز شخص تشدد کے ذریعہ اس کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالیٰ اس کو اٹھالیں، ان ملکوں کا حال بھی پہلی قسم کے ملکوں سے مختلف نہیں؛ بلکہ زیادہ بُرا ہے، ان دونوں طرح کی حکومتوں میں مغربی طاقتوں نے اپنی سازشوں کے ذریعہ اس بات کی کامیاب کوشش کی ہے کہ یہ اصحابِ اقتدار ان کا کھلونا بن کر رہیں، وہ نام کے مسلمان ہوں؛ لیکن پوری طرح مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی طرزِ حیات کے نمائندہ ہوں، ان کی زبان حق بولنے سے خاموش رہے، اس کو ٹکنالوجی سے محروم رکھ کر بنا بنایا سامان فراہم کیا جائے، ان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور پھر قرض دے کر ان پر احسان جتایا جائے، ان کے ذریعہ عوام پر ظلم وستم کئے جائیں، جو لوگ اسلامی اور شریعتِ اسلام کا نام لیتے ہیں انہیں دبایا جائے اور شرمناک سزائیں دی جائیں وہ اپنی عوام کے مالک ومختار ہوں اور مغربی آقاؤں کے غلام، آج کم وبیش پورا عالمِ اسلام اسی صورتحال سے دوچار ہے۔

اس طویل عرصے میں مغرب کی مسلسل سازشوں اور ستم انگیزیوں کے باوجود مسلم ممالک میں بھی اور مسلم اقلیتی ممالک میں بھی جن لوگوں نے ملتِ اسلامیہ کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کی آگ کو بجھنے سے بچایا ہے، وہ وہی طبقہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ اسلامی افکار کی ترجمانی کرتا ہے اور اخلاق ومحبت کی تلوار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتا ہے، یہ طبقہ علماء اور دینی تحریکات کا ہے، مغرب کے استعماری دور میں ہی مسلمانوں میں اسلامی تحریکات وجود میں آنے لگیں اور اُنہیں فروغ حاصل ہوتا رہا، ان تحریکات کو فکر کا سرمایہ فراہم کرنے والا طبقہ علماء کا ہے، خلافت کے خاتمہ کے بعد کسی سرکاری اعانت کے بغیر اس طبقہ نے مسلمانوں کا دین سے رشتہ استوار کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ نقش لازوال ہے، ورنہ نہ معلوم کتنے مسلمان ارتداد کا شکار ہوچکے ہوتے، دہریت اور الحاد پورے پورے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیتی، اسلامی شعائر کے بارے میں مسلمانوں کی دینی غیرت ختم ہوچکی ہوتی اور شریعتِ اسلامی سے ان کا رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہوتا، جیسے عیسائی معاشرہ میں کچھ لوگ اتوار کو چرچ چلے جاتے ہیں اور جیسے ہندو سماج میں کچھ افراد مندروں میں پہنچ کر نذر ونیاز پیش کردیتے ہیں اور کچھ خاص خاص تہواروں کو دھوم دھام سے انجام دے لیتے ہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہوگیا ہوتا؛ کہ ان میں جو لوگ مذہبی ہوتے ہیں وہ جمعہ اور عیدین میں شرکت کرلیتے اور کبھی کبھار مسجد چلے جاتے، ان کی عائلی زندگی، ان کی معیشت اور زندگی کے دوسرے مسائل میں شریعت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

علماء نے ہمیشہ اپنی بساط بھر امتِ مسلمہ کو دین سے جوڑے رکھنے اور اسلام کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کی کوشش کی؛ چوں کہ ان کی یہ کوشش حکمراں طبقہ کے عیش وعشرت کے منصوبوں میں خلل انداز ہوتی تھی؛ اس لئے زیادہ تر وہ اپنے اپنے عہد کے حکمرانوں کے معتوب ہی بنے رہے، حضرت حسینؓ نے تو قرنِ اول میں نذرانۂ شہادت پیش کر دیا تھا؛ امام ابوحنیفہؒ کو بنوامیہ اور بنوعباس دونوں زمانوں میں حکمراں شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، دونوں حکومتوں میں انھیں کوڑوں سے مارا گیا، قید کی سزا سے بھی دوچار ہوئے، یہاں تک کہ زہر کا پیالہ پلا کر اُنہیں شہید کیا گیا، امام مالکؒ کو عباسی حکمراں منصور کے زمانے میں ستر (۷۰) کوڑے لگائے گئے اور اس طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اُکھڑ گئے، امام احمد بن حنبلؒ عباسی حکمراں مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانہ میں ایسی شدید آزمائش سے گذرے کہ تاریخِ عزیمت میں شاید اس کی مثال مل سکے، جس شخص نے امام احمدؒ پر کوڑے برسائے خود اس کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ پر اس سختی کے ساتھ اسی (۸۰) کوڑے برسائے کہ اگر اس طاقت کے ساتھ میں ہاتھی پر کوڑوں کی بارش کرتا تو وہ بھی چیخ اُٹھتا اور یہ بارش مدتوں امام احمد بن حنبلؒ پر ہوتی رہی؛ لیکن پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا، امام بخاریؒ کا آخری زمانہ اس حال میں گذرا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی، سعید بن جبیرؒ کو اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے؛ لیکن حجاج بن یوسف کا جبر وظلم ان کو ذرا بھی خوفزدہ نہ کر سکا، ابن السکیتؒ کی حق گوئی پر عباسی خلیفہ متوکل نے ان کی زبان کھنچوالی اور زبان کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی پرواز کر گئی، خود ہندوستان میں راہِ عزیمت میں علماء کی استقامت کی ایک وسیع تاریخ رہی ہے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کی دین بے زاری کے خلاف علمِ اصلاح بلند کیا اور پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتیں بھی اُٹھائیں، مغل حکمرانوں کے دور میں مختلف علماء ومشائخ حق گوئی کے جرم میں شہید کر دئے گئے، کسی کو قتل کر دیا گیا کسی کو ہاتھی کے قدموں تلے روند دیا گیا، کسی کو دیوار میں چُن دیا گیا اور کوئی جلاوطن کر دیا، ہندوستان کی جنگِ آزادی ـــ جس میں علماء اسلام کی حفاظت کے لئے حصہ لیا ـــ میں بے شمار علماء شہید کر دئے گئے، دلی کے مضافات میں ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں سرراہ درختوں پر پھانسی دے دے کر عبرت کے لئے علماء و اہلِ دین کی لاشیں لٹکا رکھی گئیں، سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں شامل کتنے ہی علماءِ صادق پور نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، شاملی میں بڑے بڑے علماء نے سربکف ہو کر برطانوی فوج کا مقابلہ کیا؛ لیکن کوئی چیز ان کی ثابت قدمی کو متاثر نہیں کر سکی۔

آزمائش کا ایک دوسرا رنگ بھی ہوتا ہے اور وہ ہے مال ومتاع کی لالچ دے کر کسی کو اس کی فکر سے ہٹا دینا اور اس کو اس کے مشن سے روک دینا، امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں منقول ہے کہ عباسی حکمراں متوکل نے

جب پچھلے مظالم کی تلافی کے لئے امام احمدؒ کے پاس ۲۰ ہزار سکے بھیجے اور ایک دوسرے موقع پر ایک لاکھ درہم بھیجے تو امام احمدؒ نے معذرت کر دی اور فرمایا کہ یہ آزمائش اس آزمائش سے بڑھ کر ہے: "ھذا امر اصعب علی من ذٰلک ، ذٰلک فتنة الدین و ھذا فتنة الدنیا " محدثین وفقہاء ہوں یا اکابر صوفیاء جیسے خواجہ حسن بصری، شیخ عبد القادر جیلانی، مشائخِ ہند میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہم اللہ، وغیرہ ان سب کے حالات دیکھئے، یہ بادشاہوں اور حکمرانوں سے اور ان کی طرف سے ملنے والے مناصب اور نذرانوں سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے انسان آگ سے بھاگتا ہے۔

موجودہ حالات میں مغربی طاقتوں کی کوشش یہ ہے کہ کسی طور اس طبقہ کی لگام کسی جائے، انہیں حق گوئی سے باز رکھا جائے، غلط تاویل اور جھوٹی توجیہ کے ذریعہ مغربی افکار اور لادینی تہذیب پر ان سے مہر لگوائی جائے اور یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے، ہلاکو خان نے جب بغداد کو پوری طرح قابو میں کر لیا تو اس نے اس زمانے کے بعض نام نہاد ضمیر فروش علماء سے یہ فتویٰ صادر کرانے میں کامیابی حاصل کر لی کہ "عادل کافر بادشاہ ظالم مسلمان بادشاہ سے بہتر ہے" اور اس غلط فتویٰ کو اس نے اپنے لئے مہر تصدیق بنایا، مغرب نے اپنی اس سوچ کو روبہ عمل لانے کے لئے دو طریقۂ کار اختیار کئے ایک طریقہ ان ملکوں میں جہاں مسلمان حکمراں ہیں یا جہاں آمرانہ نظام ہے، وہاں ظلم اور دباؤ کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے اور حسبِ ضرورت کچھ ترغیب وتحریص کا، اِس وقت اس کی زندہ مثال عرب ممالک ہیں، خاص کر مصر، جہاں شیخ الازہر اور مفتیٔ اعظم سے مغرب کے منشا کے مطابق بیانات دلوائے جاتے ہیں، جہاں مساجد سے ان ائمہ کو معزول کر دیا گیا ہے، جو حقیقت میں اسلامی فکر کے ترجمان ہیں اور ایسے لوگوں کو اس اہم ذمہ داری پر فائز کیا گیا ہے جن کو اس عہد کا ''منافق'' کا کہا جاسکتا ہے، ان سے کس طرح کا کام لیا جارہا ہے اور لیا جانے والا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہاں ائمہ مساجد کے لئے جو تربیتی ورکشاپ رکھے جارہے ہیں، ان میں ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ عوام کو بتائیں کہ اسرائیل ہمارا پڑوسی ہے اور پڑوسی کے بڑے حقوق ہوتے ہیں، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم اور چاہے اس کا سلوک اچھا ہو یا بُرا؛ اس لئے اسرائیل جو بھی کرے؛ لیکن ہمیں پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حد درجہ افسوسناک صورت حال وہ ہے جو ابھی چند عرب ملکوں کی طرف سے ایک مسلم عرب ملک قطر کے بائیکاٹ پر مصر اور سعودی عرب کے بعض علماء ومشائخ اور اصحابِ افتاء کی طرف سے سامنے آئی ہے، مصر کے ایک مفتی نے تو خوشامد کی آخری حدوں کو پار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس سال

قطری باشندوں کا روزہ مقبول نہیں ہوگا؛ کیوں کہ انھوں نے سعودی عرب کی مخالفت کی ہے، گویا روزہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، سعودی حکومت کی طرف سے ہوگی، سعودی عرب کے مفتی اعظم اور رئیس اُمورِ حرمین بجائے اس کے کہ ایک مذہبی قائد ہونے کی حیثیت سے مسلم ملکوں کے باہمی اختلاف کو کم کرنے اور صلح کرانے کی کوشش کرتے، انھوں نے سعودی حکومت کے فیصلے پر آمین کہنے پر اکتفا کیا، ظاہر ہے کہ جب امام خود مقتدی بن جائے تو اُمت کے مسائل کیوں کر حل ہوسکیں گے؟

جو جمہوری ممالک ہیں، جہاں دستوری طور پر کسی کو اپنے ضمیر کے خلاف مجبور نہیں کیا جاسکتا، وہاں مال و متاع اور عہدہ ومنصب کی لالچ دے کر زبان وقلم پر مہر لگانے کی کوشش جاری ہے، ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے، اور یقیناً جمہوریت ایک نعمت ہے، نیز مسلم آبادی کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے، اور اس ملک کی خصوصیت علماء مشائخ، دینی جماعتوں، تحریکوں اور تنظیموں، نیز دینی تعلیمی اداروں کی کثرت ہے؛ اس لئے یہاں ایک طرف دباؤ کی پالیسی اختیار کی جارہی ہے، مدارس، ان کے طلبہ وفضلاء دینی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں اور مذہبی شخصیتوں پر انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات لگائے جارہے ہیں۔

عالمِ اسلام کی صورت حال اس سے بھی بہت خراب ہے، جہاں ہزاروں علماء کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے، اُنھیں یہود ونصاریٰ اور اسرائیل سے خطرہ نہیں ہے؛ لیکن علماء ربانین اور اسلام کے پرستاروں سے خطرہ ہے، دوسری طرف ان کے سامنے متاعِ مال وزر کی پیش کش بھی کی جارہی ہے، خود ہمارے ملک میں کبھی کہا جاتا ہے کہ حکومت ائمہ مساجد کو معقول تنخواہیں دے گی، مساجد حکومت کے یہاں اپنا رجسٹریشن کرالیں، کبھی مدارس کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ گورنمنٹ کے قائم کئے ہوئے بورڈ میں شامل ہوجائیں، کبھی اس طرح اساتذہ کو اونچی تنخواہیں فراہم کی جائیں گی، کبھی حکومت کے غیر اہم مناصب دے کر تالیف قلب کی جاتی ہے، بہ حیثیت مجموعی ان تمام کوششوں کا بنیادی مقصد اس طبقہ کو پست حوصلہ کرنا، ان کی زبان کو بند کرنا، اور ان کی جد وجہد کو محدود کرنا ہے، جن کا بنیادی مشن اسلام کی اشاعت وحفاظت ہے اور یہ سب کچھ صرف حکومتِ ہند کا منصوبہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک عالمی منصوبہ ہے جس کے تانے بانے امریکہ اور اسرائیل میں بنے گئے ہیں۔

یہ حالات عالمی سطح پر علماء ومشائخ کے لئے لمحہ فکریہ ہیں کہ کیا ان کا مقصد زندگی صرف روٹی کے ٹکڑے حاصل کرنا ہے جس طور پر بھی حاصل ہوجائیں، یا وہ اس سے اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے کام کررہے ہیں؟ وہ انبیاء کے وارث ہیں جو اجرت کے لئے نہیں اجر کے لئے کام کرتے ہیں، یا حکومتِ وقت کے ہر فیصلہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا اُنھیں منظور ہے؟ وہ اس کائنات میں خدائی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا ذریعہ ہیں یا مادیت کے

پرستار؟ ان کا کام حکمت ومصلحت کے ساتھ حکومتِ وقت پر نکیر کرنا ہے یا ان کی ڈیوٹی حکمرانوں کے اعدائے اسلام کی سازشوں کا حصہ بننے کے باوجود ان کی تائید وتقویت ہے؟۔

یہ وقت ہے کہ علماء سر جوڑ کر بیٹھیں، اس مسئلہ پر غور کریں، اپنے سلف کے راستہ پر خود کو ثابت قدم رکھیں، دین کے فروغ کو اپنی متاعِ حیات بنانے کا عہد کریں اور اس بات کا عزم مصمم کریں کہ نہ فولاد وآہن کی طاقت اظہارِ حق کے معاملہ میں انہیں خوف زدہ کر سکے گی اور نہ سیم وزر کی لالچ انہیں اپنا اسیر بنا سکے گی کہ بہ حیثیت مسلمان ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کچھ کام اور تجربے کی باتیں

عربی محاورات سے

- جس کنویں سے پانی پیتے ہو اس میں پتھر نہ مارو۔
- جو حلم سے کام لیتا ہے وہ اپنے مقصود کو پالیتا ہے۔
- جو آدمی اپنا مقام جانتا ہے وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔
- بار بار نظر آنے والی چیز نہ نظر کو متوجہ کرتی ہے نہ ذہن کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔
- خواہش نفس سخت اندھا پن ہے۔
- ظاہری خفگی اندرونی دشمنی سے بہتر ہے۔
- وقت اپنی ذات میں سب سے سستی چیز ہے مگر یہی وہ واحد شئی ہے جسے خریدا نہیں جا سکتا۔
- شناسائی اور جان پہچان محبت کا سبب ہے اور انجانا پن جدائی کا۔
- جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہو گیا۔
- وہ علم جس پر عمل نہ ہو اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔
- زندگی کی مشقتیں اور مصیبتیں آدمی کو خاموشی کا فن سکھاتی ہیں۔
- عقل مند کا گمان جاہل کے یقین سے بہتر ہے۔
- جب بھی کوئی حق تلفی ہوگی فوراً حق طلبی ہوگی۔
- سفید سکے سیاہ دن کا رآمد ہوتے ہیں۔
- معلومات غور وفکر کے بغیر رائیگاں محنت ہیں۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

ان کا اصل نام سیدہ رملہ بنت ابی سفیان ہے، یہ حضرت ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی اور حضرت امیر معاویہ کی بہن ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح:

یہ رسول اللہ ﷺ کی چچازاد بہن ہیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں ان سے زیادہ قریبی رشتہ دار آپ کا کوئی اور نہیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ مہر بھی انہیں کا طئے ہوا تھا، ان کا نکاح ملک حبشہ میں ہوا، شاہ حبشہ نے ان کا مہر چار سو دینار طئے کیا اور بطور جہیز کے کچھ سامان بھی مرحمت کیا۔

حضرت ام حبیبہؓ کی حبشہ ہجرت:

ابن سعد کہتے ہیں: حضرت حنظلہ جو غزوہ بدر میں مقتول ہوئے اور ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیانؓ کی اولاد اور حقیقی بھائی بہن ہیں، حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر عبید اللہ بن رباب الاسیدی جن کے ساتھ انہوں نے حبشہ کی ہجرت کی تھی مرتد اور نصرانی ہوکر انتقال کر گئے، انہیں سے حضرت ام حبیبہؓ کو ایک لڑکی تولد ہوئیں جن کی نسبت سے آپ ''ام حبیبہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہؓ کا تعلق

حضرت ام حبیبہ نہایت محترم اور مکرم تھیں، خصوصاً اپنے بھائی کے دور سلطنت وحکومت میں بہت معزز تھیں ان کی آپس کی قرابت اور رشتہ داری اور احترام واکرام کی وجہ سے حضرت ابوسفیان کو ''مسلمانوں کے ماموں'' سے ملقب کیا جاتا ہے، یہ اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے ان کے دور خلافت میں دمشق سفر کرکے آئیں۔

ایک دفعہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ سے ان کے بھائی معاویہؓ ملنے کے لئے تشریف لائے، ان دونوں بہن، بھائیوں کا آپس میں بہت پیار تھا، یہ دونوں آپس میں باتیں کررہے تھے، حضور ﷺ نے ام حبیبہؓ سے فرمایا:

کیا تم معاویہؓ کو چاہتی ہو، عرض کیا: جی ہاں! (وہ میرے بھائی ہیں، مجھے ان سے) بہت محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو مجھے بھی ان سے محبت ہے ''فانی احب معاویة و أحبّ من یحبّه''

(تاریخ دمشق، معاویہ بن صخر: ۵۹/۸۹، دار الفکر، بیروت)

حضرت ام حبیبہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام:

سن آٹھ ہجری کو فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح حدیبیہ کی مدت میں اضافہ کے سلسلے میں بات چیت کے لئے بارگاہ نبوی میں حاضری کے غرض سے آئے، تو اپنی صاحبزادی ام حبیبہؓ کے حجرے میں تشریف لائے، انہوں نے اپنے والد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے سے منع کرتے ہوئے اس بستر کو لپیٹ دیا اور کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک ہے اور آپ نجس اور مشرک شخص ہیں۔

روایات حدیث:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ سے پینسٹھ (۶۵) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت ام حبیبہ کی وفات:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سن چوالیس (۴۴) میں وفات پا گئیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کی قبر مبارک دمشق میں ہے لیکن یہ قول غیر معتبر ہے؛ ان کی قبر مدینہ منورہ میں ہی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا:

ام ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ باندی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں اپنے والد محترم کی وراثت میں پایا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا تھا۔

ام ایمن کے ازواج و اولاد:

انہوں نے عبید اللہ بن حارث الخزرجی سے نکاح فرمایا، جن سے ''ایمن'' تولد ہوئے، ایمن نے ہجرت بھی کیا اور اللہ کے راہ میں جہاد بھی کیا، اور غزوہ حنین میں جام شہادت نوش کیا، پھر ام ایمن کا حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح ہوا، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔

حضرت ام ایمنؓ کا وحی کی تعظیم کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ام ایمنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر رو پڑیں، ان سے پوچھا گیا، کیا آپ بھی روتی ہیں؟ تو فرمایا: اللہ کی قسم ! مجھے تو یہ پتہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا جائیں گے، لیکن مجھے رونا آسمان سے وحی کے منقطع ہونے پر آرہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر:

طارق سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، تو حضرت ام ایمن رو پڑیں، اور کہنے لگی: آج اسلام کمزور پڑ گیا۔

وفات:

واقدی کہتے ہیں، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال کر گئیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ سے)

ولا تکونوا کالذین خرجوا الخ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کے راستہ سے روکنے نکلے تھے، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے مدارس کی ترقی کے لئے ذمہ داران اور اساتذہ مخلص، باہم معاون بن کر، الفت ومحبت، ایک دوسرے کا ادب واحترام کرتے ہوئے آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مشورہ کے ساتھ خدمت میں لگنا چاہئے، ان شاء اللہ اپنی ذات کی بھی ترقی ہوگی اور مدرسہ کی بھی ترقی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

دعوت فکر ونظر

مدارس کا قیام، تحفظ اور ترقی کے اصول

مولانا عبداللطیف قاسمی*

الحمدلله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله محمدبن عبدالله الامین وعلی آله واصحابه اجمعین امابعد:

حضرات علماء کرام، ذمہ داران عالی مقام! آج الحمدللہ ہم چند دینی مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ کرام ایک باوقار مجلس میں جمع ہیں تاکہ دینی مدارس کی اصلاحی، تربیتی، اخلاقی، تعلیمی اور تعمیری ترقی کے متعلق سب مل جل کر غور وفکر کریں اور اپنے مقاصد میں بھرپور کامیابی کی سعی وکوشش میں لگیں۔

حضرات محترم! ہم سب مدارس کے ذمہ دار حضرات اور اساتذہ ہیں، لہذا آیئے، ہمارے اکابر نے جن مقاصد کے لئے مدارس کی بنیاد رکھی تھی ایک مرتبہ ہم ان کو تازہ کرلیں۔

ہندو پاک کے تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے مدارس براہ راست یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہیں اور اس کا پرتو ہیں، ہمارے مدارس کے قیام کے مقاصد بھی وہی ہیں جن مقاصد کے لئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کو قائم فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند کی بقاء، تحفظ اور ترقی کے لئے جن اصول کو آپ نے مقرر فرمایا ہم بھی ان اصول کا اہتمام کریں گے، تو ان شاءاللہ ہمارے مدارس بھی محفوظ رہیں گے، قیامت کی صبح تک دینی خدمت میں مصروف بھی رہیں گے، اور ہم ان شاءاللہ اپنے مقصد میں کامیاب وسرخ رو بھی ہوں گے۔

دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستورِ اساسی کے مطابق دارالعلوم مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے قائم کیا گیا ہے:

(۱) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد وکلام اور ان علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا

(۲) اعمال واخلاقِ اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ ودفاع اور اشاعتِ اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا

*خادم التدریس جامعہ غیث الہدی بنگلور

اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱/ ۱۴۲)

مدارس کی تعلیمی اور تعمیری ترقی اور مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل میں ذمہ دارانِ مدارس اور اساتذۂ مدارس دونوں کا اہم کردار ہوتا ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہوتا ہے؛ البتہ خدمت کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

ذمہ دارانِ مدرسہ اپنے علاقہ میں مسلمانوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت، امت مسلمہ کی نئی نسل کو دینی تعلیمات سے آراستہ وپیراستہ کرنے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مدرسہ کی بنیاد رکھتے ہیں، مدرسہ کے لئے تمام ضروری وسائل، جگہ کی فراہمی، مالیات کی فراہمی، اساتذہ وطلبہ سے متعلق تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے کوشش کرتے ہیں، تو اساتذہ ان ذمہ داروں کے حسین خوابوں کو شرمندۂ تعمیر کرنے والے ہیں، جن مقاصد کے لئے ذمہ دارن مدرسہ بیج بوتے ہیں، اساتذہ اس بیج کو تناآور اور ثمرآور درخت بنانے والے ہیں؛ ذمہ دارانِ مدرسہ مدرسہ کو ظاہری اعتبار سے مزین کرتے ہیں، تو اساتذہ مدرسہ کو حقیقی اعتبار سے یعنی امت کے نونہالوں کو علم دین سے آراستہ کرنے کے اعتبار سے کوشش کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا مدارس کے مقاصد میں کامیابی کے لئے ذمہ دارانِ مدرسہ اور اساتذۂ مدرسہ دونوں برابر کے شریک ہیں، مدارس کے بقاوتحفظ اور مقصد میں کامیابی کیلئے دونوں کو آپس میں ایک دوسرا کا محسن ومعاون سمجھنا چاہئے۔

ذمہ دارانِ مدرسہ اگر مدرسہ کے لئے جگہ خریدیں اور شاندار عمارت تعمیر کرلیں، تمام ضروریاتِ مدرسہ کی تکمیل کرلیں؛ لیکن مدرسہ کی چہار دیواری میں طلبہ واساتذہ نہ ہوں، تو یہ تعمیرات واسباب کچھ کام کے نہیں ہیں، اسی طرح موجودہ زمانہ میں کوئی شخص ذی استعداد عالم بن جائے؛ لیکن پڑھانے کے لئے کوئی موزوں ومناسب دارالعلوم/مدرسہ/مکتب نہ ملے، تو اس کی صلاحیت واستعداد استعمال نہیں ہوگی، دنیوی کاروبار میں لگنے کی وجہ سے برباد ہوجائے گی۔

بہرحال ذمہ داران اور اساتذہ مدارس کی ترقی اور مقاصد میں کامیابی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں، لہٰذا آپسی وحدت واجتماعیت، اتحادِ فکر اور اجتماعیتِ قلوب کی اشد ضرورت ہے، ذمہ دارنِ مدرسہ کی فکر کچھ اور ہے، اساتذہ کی سوچ الگ اور محنت الگ ہے، تو لاحاصل ہے، اساتذہ باصلاحیت اور ذی استعداد ہیں؛ لیکن مدرسہ میں وسائل کی کمی اور اسباب کا فقدان ہے، تو مدرسہ کی ترقی نہیں ہوسکتی۔

اتحادِ فکر اور اجتماعیت قلوب کے لئے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے:

(۱) باہمی تعاون

قیامِ مدرسہ کے مقاصد کی تکمیل عملہ اور ذمہ داروں کے آپسی تعاون کے بغیر ناممکن ہے، مدرسہ کی ضروریات کی تکمیل اور ضروری اشیاء کی فراہمی، وغیرہ میں ذمہ دارانِ مدرسہ کا تعاون ضروری ہے، طلبہ کی تربیتی اخلاقی اور تعلیمی ترقی میں اساتذہ کا کردار و تعاون اہم ہے، نیز ایک مدرسہ میں خدمت کرنے والوں کا بھی آپس میں ایک دوسرے کا معاون ہونا ضروری ہے، اپنی مفوضہ ذمہ داریوں نیز اسباق و نگرانی کی ترتیب اور اوقات کا اہتمام وغیرہ کو پورا کرنے کہ ذریعے مہتمم/صدر مدرس/ناظم کا تعاون ضروری ہے، مشورہ طلب امور میں مہتمم/ناظم/صدر مدرس کا اساتذہ سے مشورہ کرنے سے اساتذہ معاون بنیں گے ورنہ معاند بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سیدابراہیم علیہ السلام کو اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچہ کو وادی ذی زرع میں چھوڑنے کا حکم دیا، تو حضرت ھاجرہ نے اس حکم کی تکمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعاون کیا، نیز اللہ تعالیٰ نے دوسرا سخت امتحان اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کے ذریعہ لیا، تو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعاون کیا، حضرت ابراہیم نے فرمایا: تم میرے لئے کس قدر بہترین معاون ہو۔

(۲) آپسی اکرام و تعظیم

ذمہ داران و اساتذہ میں سے کوئی حاکم و محکوم نہیں ہے، دونوں کا مقصد ایک ہے، ہر مسلمان کو اس کے شایان شان اکرام کرنا یہ شرعی و اخلاقی فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹے، بڑے، مسلم غیر مسلم شرفائے قوم میں سے ہر ایک کا اس کے لائق اکرام فرمایا کرتے تھے۔

عکرمہ بن ابی جہل ؓ مسلمان ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: عکرمہ بن ابی جہل آرہے ہیں، کوئی شخص ان کے باپ کی وجہ سے ان کو عار نہ دلائے، نیز آپ نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أنزلوا الناس علی منازلھم۔ (ابوداؤد کتاب الاداب، رقم: ۴۸۴۲) ہر آدمی کے ساتھ اس کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھو۔ ذمہ دارانِ مدرسہ مدرسہ کے محسن، معاون، خیر خواہ اور مدرسہ کے خارجی انتظامی امور کو انجام دینے والے ہوتے ہیں نیز عمر میں بھی عموماً بڑے ہوتے ہیں اور تمام انتظامی امور کے الجھنوں کو اپنے سر لے کر ہم کو دینی تعلیم کے مشغلہ کے فارغ کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی باب رحمۃ الصبیان: ۱۹۲۱)

اساتذہ حفاظِ قرآن، علماءِ دین، انبیاء کے وارثین اور علم و دین کے خادمین ہوتے ہیں، اس اعتبار سے وہ اکرام و تکریم کے مستحق ہیں۔

(۳) آپسی مشورہ

ذمہ دارانِ مدرسہ کو چاہئے مدرسہ سے متعلق امور آپسی مشورہ سے پورا کریں، نیز ناظمِ مدرسہ و صدر مدرس قابل مشورہ امور میں اساتذہ سے مشورہ کا اہتمام رکھیں، اس سے ذمہ دارن اور اساتذہ کے درمیان اعتماد و اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور طے شدہ امور کی تکمیل میں تعاون رہتا ہے، نیز ہم حضرات مشورہ کی اہمیت و افادیت سے بخوبی واقف ہیں۔

(۴) نزاع و اختلافات سے اجتناب

جھگڑے و اختلافات سے گھر اُجڑ جاتے ہیں، خاندان بکھر جاتے ہیں، ملک بک جاتے ہیں، تنظیمیں ٹوٹ جاتی ہیں، قومیں برباد ہو جاتی ہیں، اگر ذمہ دار و اساتذہ میں اختلافات پیدا ہوں گے، تو مدارس ویران ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ (الانفال) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام اور بے رعب ہو جاؤ گے، صبر کرو، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

اگر مدارس کے ذمہ داروں (عمومی معنی) میں اختلاف ہوگا، مدرسہ کی ترقی تنزلی میں بدلے گی، اپنی ذات کی، ذمہ داروں کی اور مدرسہ کی بدنامی ہوگی اور مدرسہ ترقی کی راہ سے کوسوں دور ہو جائے گا، اگر اس طرح کے حالات اور مشکلات پیدا ہو جائیں، تو اس کو خوش اسلوبی سے اپنے بڑوں سے حل کرانا چاہئے نیز ان مصائب و حوادث پر صبر سے کام لینا چاہئے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ کی مدد و نصرت آئے گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں:

مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو، تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔

(۵) اخلاصِ نیت

مدرسہ کی جس نوعیت کی بھی خدمت ہم سے متعلق ہو، اس کو اللہ کی رضا اور دینِ اسلام کی اشاعت و حفاظت کے لئے کرنا چاہئے، عمل خواہ کتنا ہی بڑا ہو، اگر وہ اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو، تو دنیوی مقاصد ممکن ہے

حاصل ہوجائیں؛لیکن قیامت میں وبال کا سبب ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور حدیث میں عالم، سخی اور مجاہد کے احوال ذکر کئے گئے ہیں اور جو عمل اللہ کے لئے نہ ہو، اس میں برکت نہیں ہوتی اور دیرپا بھی نہیں ہوتا، لہٰذا ضروری ہے کہ مدرسہ کی جس نوعیت کی بھی ہم خدمت انجام دے رہے ہوں، اس کو اللہ کا فضل اور اس کی عظیم نعمت سمجھیں اور اپنے عہدوں اور کارناموں پر اترانا نہیں چاہئے اور کسی عمل کو لوگوں کو دکھانے کے لئے کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ (الانفال) ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کے راستہ سے روکنے نکلے تھے، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دینی مدارس خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے قیام وبقاء اور ترقی کے لئے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے، بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اصول کا متن حضرت والا کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور دارالعلوم دیوبند کے خزانہ میں محفوظ ہے۔

جس کا عنوان ہے: **وہ اصول جن پہ یہ مدرسہ اور نیز مدارسِ چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں**

(خطبات حکیم الاسلام ۹/ ۲۵۳)

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقائے طعام طلبہ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو، تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا، القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی، تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو، بہ دل وجان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً

کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتے ہیں۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسینِ مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماءِ روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ۔ان شاء اللہ۔بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہء تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

تحریکِ خلافت کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر مرحوم دارالعلوم دیوبند آئے اور حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشت گانہ دیکھے، تو مولانا محمد علی جوہر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ ان اصول کا عقل سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو خالص الہامی ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں، سو برس کے بعد دھکے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔(تاریخ دارالعلوم ۱/ ۱۵۲)

ہم سب کے لئے دفعہ نمبر تین اور اساتذہ کے لئے بطور خاص دفعہ نمبر چار اور پانچ میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔آپسی اتحاد، اجتماعیتِ قلوب، مدارس کے تحفظ اور ترقی وکامیابی کے لئے جن نکات کو عرض کیا گیا قرآن پاک میں ان تمام کی طرف اشارہ موجود ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵

(الانفال) اے ایمان والو! جب جہاد میں کسی جماعت سے لڑو، تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب ذکر کرو، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

اس آیت کے اشارۃ النص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے جب کسی اہم دینی کام کو شروع کریں تو صبر و استقامت کے ساتھ جمے رہنا چاہئے اور اللہ کا ذکر جس میں تمام طاعتیں اور دعاء داخل ہیں بکثرت کرنا چاہئے، یعنی کامیابی سے مایوس اور ناامید ہوئے بغیر صبر واستقامت کے ساتھ محنت اور دعاؤں میں لگنا چاہئے، ذکر سے دلوں میں قوت اور طمانیت پیدا ہوتی ہے جس کی دینی امور میں اشد ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت قاری امیر الحسن صاحبؒ ایک مرتبہ جامعہ غیث الہدی بنگلور تشریف لے آئے، مہتمم جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت سے جامعہ کے مقروض ہونے کی خبر دیتے ہوئے دعاؤں کی درخواست کی، تو حضرت والا نے ایک وظیفہ بتایا جس کا اہتمام کرنے میں مدارس کی ضروریات کی تکمیل، شرور وفتن اور حوادث سے حفاظت حاصل ہوتی ہے: **حسبنا اللہ، ونعم الوکیل**

۳۴۱ مرتبہ برائے حفاظت از شرور وفتن

۳۰۸ مرتبہ برائے وسعتِ رزق وادائے قرض

۱۴۰ مرتبہ برائے حفاظت از حوادث

۱۱۱ مرتبہ کارِ خاص کے لئے مجرب ہے۔

حضرت مہتمم صاحب فرماتے ہیں: جب جامعہ میں اس وظیفہ کا اہتمام ہوتا ہے، تو الحمد اللہ اطمینان ہوتا ہے، جب اس میں غفلت ہوتی ہے، تو پریشانیوں اور مشکلات کا خطرہ رہتا ہے، لہذا ہمارے مدارس میں اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

واطیعوا اللہ ورسولہ الخ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام اور بے رعب ہوجاؤ گے، صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزن وغیرہ سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی، ثابت قدمی، صبر واستقلال، قوت وطمانیتِ قلب، یادِ الٰہی، خدا اور رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت وفرمانبرداری اور باہمی اتفاق واتحاد سے حاصل ہوتی ہے''۔ (فوائد عثمانی)

معلوم ہوا کہ مدرسہ کی خدمت کرنے والوں میں اگر اختلاف ہوجائے، تو کام کرنے والوں کی قوت ٹوٹتی ہے نیز اپنا وقار مجروح ہوتا ہے، اپنی ذات کی اور مدرسہ کی بدنامی ہوتی ہے، اور مدرسہ ترقی سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

دعوتِ فکر ونظر (۲)

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی

دنیا مسلمانوں سے قائم ہے اور مسلمان دینی مدارس سے

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی*

دوسرا واقعہ بھی سنئے

پولس سے نچلی سطح پر نظم ونسق سنبھالنے والے تین ہزار ہوم گارڈ کی بھرتی کے لیے جب حکومت کی طرف سے سرکلر نکلا تو ایک اخبار میں اطلاع آئی کہ ڈیڑھ لاکھ سے زائد لوگوں نے اس کے لیے انٹرویو دیا ہے اور اس میں گریجویٹ ہی نہیں بلکہ پوسٹ گریجویٹ انجینئروں وغیرہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، حالانکہ ہوم گارڈ کے لیے صرف بارہویں پاس کی تعلیمی صلاحیت کافی تھی، اس خبر کے بین السطور جو پیغام تھا وہ یہ کہ دنیا کے خاطر دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والے ۶۰ فیصد لوگ اب بھی بے روزگار ہیں جبکہ اسی اخبار کے نیچے ایک اور اشتہار تھا کہ فلاں ادارہ کے لیے دو حافظ اور تین عالم دین کی ضرورت ہے اور ان کے لیے مفت رہائش کے ساتھ تنخواہ کم از کم ۱۰ / ہزار سے ۱۲ / ہزار دی جائے گی، مطلب یہ ہوا کہ حافظ قرآن اور عالم دین تلاش بسیار کے بعد بھی کہیں خالی نہیں مل رہے ہیں اور اخبارات میں اشتہار دینا پڑھ رہا ہے اور عصری تعلیم یافتہ لوگ بے روزگاری سے تنگ آکر اپنی تعلیم وصلاحیت سے بھی کم حیثیت کی ملازمت کے لیے تیار ہیں، بارہویں پاس ہوم گارڈ کی ملازمت کے لیے پوسٹ گریجویٹ لوگوں کی درخواستوں کا انبار اس کا واضح ثبوت ہے۔

تیسرا واقعہ

بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے، ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم مولانا عمران خان صاحب ندوی کے بھائی مولانا سلمان صاحب ندوی کے گیارہ بیٹے تھے، انھوں نے ارادہ کیا کہ سب کو حافظ قرآن اور عالم دین بنانا ہے، ان کے بعض افراد خاندان کا ان سے اصرار تھا کہ ایک دو کو تو کم از کم عصری تعلیم میں لگائیں تاکہ ان کے لیے عمر کے آخری مراحل میں معاشی مسائل نہ ہوں لیکن انہوں نے نہیں مانا بلکہ تمام گیارہ بیٹوں کو الحمدللہ حافظ قرآن اور عالم دین بنایا اور سب کے سب ندوۃ العلماء سے فارغ ہوئے، اللہ نے ان کے اس توکل اور اپنی ذات پر اعتماد کی

*استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

لاج یوں رکھی کہ ان کے یہ سب گیارہ بیٹے آج الحمدللہ دنیا کے مختلف امریکی و یوروپی ممالک میں دعوت دین سے جڑے رہ کر بھی بڑے بڑے کاروبار کے مالک بن گئے ہیں، ایک امریکہ میں ہے تو دوسرا برطانیہ میں، تیسرا نیوزی لینڈ میں تو چوتھا امارات میں، دوسال قبل میں جب جاپان کے دعوتی دورہ پر گیا ہوا تھا تو ان کے ایک صاحبزادہ مولانا سلیم الرحمن صاحب ندوی کو دیکھا کہ ٹوکیو کے مہنگے ترین علاقہ میں خود کے اپنے خوبصورت کاشانہ کے مالک ہیں اور پورے جاپان میں اس وقت دعوتی و مذہبی اعتبار سے بھی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں جس نے کہا سچ کہا کہ ''جو اللہ کے لیے ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے'' دین کے خاطر قربانی دینے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا سے بھی محروم نہیں رکھتا۔

مدارس کا کوئی متبادل نہیں

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دین کی باتوں سے واقفیت اور احکام شریعت پر عمل کے لیے مطلوبہ ضروری معلومات کا نام ہی دینی تعلیم ہے لیکن حقیقت میں وہ دینی تعلیم جس کے لیے مدارس کا قیام عمل میں آتا ہے صرف اسی کا نام نہیں، دین کی اس ابتدائی و بنیادی ضرورت کے لیے شبینہ وصباحی مکاتب، بزرگوں کی صحبت اسلامی تحریکات وتنظیمات سے وابستگی اور دینی لٹریچر کا مطالعہ وغیرہ کافی ہے جس سے اسلام پر قائم رہنے میں ایک مسلمان کو مدد ملتی ہے، دراصل دینی مدارس اس سے بھی بڑھ کر ایک عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قائم کئے جاتے ہیں، جہاں شریعت پر گہری نگاہ اور قرآن وحدیث کے اسرار ورموز سے واقفیت رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر امت مسلمہ ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی زندگی کے ہر میدان میں رہنمائی کرنے والے رجال کار اور علماء پیدا کئے جاتے ہیں، جب جب بھی اسلام کے نام سے اس کی غلط ترجمانی کرنے والے میدان میں آتے ہیں تو مدارس کے یہی علماء اس کا مقابلہ کرتے ہوئے قبلہ نما بن کر سامنے آتے ہیں اور اسلام کی صحیح منشاء وروح کی ترجمانی کرتے ہیں، وہ اس خلائی سٹیلائٹ کی طرح ہوتے ہیں جو خلاء میں رہ کر پوری دنیا کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتا ہے، ہمارے علماء بھی دینی سٹیلائٹ بن کر امت کی ایک ایک حرکت پر وہ مؤمنانہ فراست کے ساتھ دور بیں نگاہ رکھتے ہیں کہ کہیں امت بہک نہ جائے اور راہ راست سے نہ ہٹ جائے، اس پر ان کو وہ فوراً متنبہ کرتے ہیں، بسا اوقات جب غلط افکار ونظریات کی اسلام کے نام سے تشریح کرتے ہوئے پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو یہی علماء خود میدان میں آکر الحادی افکار وغلط نظریات کے طوفان بلاخیز کے دھارے کو موڑ دیتے ہیں اور وہ مادی منافع اور عامۃ الناس کی تعریف وتوصیف سے بے پرواہ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حقیقت دین سے بندگان خدا کو واقف کرانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

خالص اسلامی اسکول بھی مدارس کی جگہ نہیں لے سکتے

ادھر 20 / 25 سال سے ملت کے نونہالوں کو الحادی وتشکیکی افکار ونظریات سے محفوظ رکھنے اور مشنری تعلیمی اداروں سے بچانے اور ایمان پر باقی رکھنے کے نیک جذبہ کے تحت مسلم تعلیمی درسگاہوں کا قیام تیزی سے عمل میں آرہا ہے جو بڑی خوش آئند بات ہے اور ملت کی ایک بڑی اہم ضرورت کی تکمیل ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس میں سے بہت سارے اسکولوں وکالجس کو آپ مسلم تعلیمی ادارے تو کہہ سکتے ہیں اسلامی ادارے نہیں، اس لیے کہ ان میں سوائے اس کے کہ اس کو چلانے والے مسلمان ہیں اس کے علاوہ اس کی کوئی امتیازی مذہبی شان نہیں ان میں سوائے کچھ کو مستثنی کرکے وہ سب غیر دینی نصابی وثقافتی سرگرمیاں ہوتی ہیں جس کا اسلام سے دور دور تک تعلق نہیں ہوتا، لیکن اگر بالفرض تھوڑی دیر کیلئے ہم مان بھی لیں کہ ہمارے بچے خالص اسلامی بنیادوں پر قائم اسلامی اسکولوں وکالجس میں ہی پڑھ رہے ہیں اور اس طرح کے اداروں کی ایک بڑی تعداد الحمدللہ ملک وبیرون ملک میں پائی بھی جارہی ہے تب بھی یہ اسلامی عصری تعلیمی ادارے ہمارے دینی مدارس کا متبادل بن نہیں سکتے، عام طور پر عامۃ المسلمین کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ اس طرح کے اسلامی اسکولوں میں اپنے نونہالوں کو انہوں نے داخل کرکے ان کو دینی تعلیم سے بھی آراستہ کرلیا، حالانکہ یہاں تو بقدر ضرورت صرف ایمان پر باقی رکھنے والی اسلامی تعلیم دی جاتی ہے، قرآن وحدیث میں ایک عالم دین کے لیے جو فضائل اور ان کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں اس سعادت کو آپ ان اسلامی اسکولوں سے بھی حاصل نہیں کرسکتے اگرچہ آپ کا بچہ ان اسکولوں سے فارغ ہوکر اچھی عربی بولنے لگے اور قرآن کی کچھ سورتوں کے اس کو تراجم بھی یاد ہوجائیں، وہ نماز روزے کا پابند ہوجائے اور دیکھنے میں ایک عالم دین کی طرح نظر بھی آئے لیکن وہ 12 / 13 سال تک مسلسل مدرسہ میں وقت لگا کر فارغ ہونے والے کسی عالم دین کے برابر نہیں ہوسکتا، چاہے وہ خود اپنے کو اور دنیا والے اس کو شریعت کا ماہر اور عالم سمجھیں، لیکن وہ زیادہ سے زیادہ ایک اچھا مسلم اسکالر کہلاسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اسی حالت میں مدارس کی قیامت تک ضرورت ہے

عام طور پر اس وقت بڑے زور وشور سے یہ آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ مدارس کے موجودہ نصاب ونظام میں وقت کے بدلتے حالات کے مطابق تبدیلی ہونی چاہیے اور اس میں عصری علوم کی بھی اس طرح آمیزش ہونی چاہیے کہ ہمارے مدارس کے فارغین دنیاوی میدان میں کسی کے دست نگر یا محتاج نہ ہوں اور معاشی اعتبار سے بھی خود کفیل ہوں، ہمارے اپنے لوگوں کی طرف سے اٹھنے والی یہ آوازیں زیادہ تر ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں جن کے بچے مشنری اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں اور ان کی اولاد تو درکنار ان کے رشتہ دار بھی مدارس میں نہیں پڑھتے، ان کی یہ آراء مخلصانہ وہمدردانہ تو ہوسکتی ہیں لیکن جب حکومت اور مغربی طاقتوں اور اسلام دشمن طبقات

کی طرف سے یہ آوازیں سننے میں آتی ہیں تو یقیناً اس کے پس پشت علماء وفارغین کی ہمدردی وخیر خواہی نہیں ہوتی بلکہ مدارس کی خالص دینی تعلیم کو عصری علوم کے اختلاط سے آلودہ کر کے مدارس کو اس کی اصل روح سے ہٹانے اور اس کے بنیادی مقاصد سے ان کو دور رکھنے کی ایک منصوبہ بند کوشش ہوتی ہے جس کو ہم اپنی سادہ لوحی سے سمجھ نہیں پاتے، مدارس کا کام ملک کا نظم ونسق چلانے والے I.A.S افسران پیدا کرنا، اچھے دیندار ڈاکٹر یا انجینئر بنا کر ان کو معاشرہ کی خدمت میں لگانا، اچھے تاجر وسماجی کارکن یا سیاسی لیڈر بنا کر میدان عمل میں لا کر پیش کرنا نہیں، اس کے لیے ملت کے دوسرے ادارے وتنظیمیں ہیں جنہوں نے اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے، ہمارے مدارس کا قیام شریعت کے ماہرین اور دین کے متخصصین پیدا کرنے کے لیے ہوا ہے، دینی مدارس تو دراصل ملت اسلامیہ کی اس ضرورت کی تکمیل کا سامان فراہم کرتے ہیں جس کا حکم اللہ رب العزت نے سورہ توبہ کے اخیر میں پوری امت کو مخاطب کر کے دیا ہے کہ تم میں سے ہر قوم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو دین کی گہری سمجھ حاصل کرے اور دعوت کا فریضہ انجام دے (فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ) قرآن کے حکم کے مطابق ہر زمانے میں علماء کی اس جماعت کی ضرورت رہے گی اور قیامت تک اسلام پر بقاء کے لیے ایسے علماء کا وجود ملت کے لیے ناگزیر ہوگا، ہمارے دینی مدارس الحمدللہ اپنے اسی فریضہ کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہزار اپنی انتظامی وتربیتی کمزوریوں کے باوجود جس کا خود انھیں احساس ہے اس کی اصلاح کی بھی کوشش کر رہے ہیں، الحمدللہ ذمہ داران مدارس بھی اپنی بصیرت وفراست کے ذریعہ دشمنوں کی ان چالوں کو سمجھنے کے باوجود عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات وحالات کے پس منظر میں دینی تعلیم کی روح کو باقی رکھتے ہوئے اس دینی تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں جس سے فارغین مدارس دعوتی میدان میں اور بہتر طریقہ پر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں لیکن اسی کے ساتھ ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ قرآن مجید میں بیان کئے گئے ایسے علماء جو ملت کی ناگزیر ضرورت ہیں دینی مدارس کے بجائے کیا مسلم اسکولوں واسلامی کالجس یا یونیورسٹیوں سے پیدا ہونے کی ہم امید رکھیں یا پھر ایسے مدارس سے جو حد سے زیادہ عصری علوم کی شمولیت کے ساتھ نہ گھر کے نہ گھاٹ کے مصداق بن کر سامنے آرہے ہیں؟ یاد رکھیئے! ایسے علماء خالص دینی تعلیم کے ان مدارس ہی سے پیدا ہوئے ہیں اور پیدا ہوں گے۔

غرض یہ کہ ہمارے یہ دینی مدارس ہی ہیں جو آج ہندوستان کو اندلس بننے سے اور یہاں اس کی تاریخ دہرانے کی دشمنوں کی شاطرانہ چالوں کو کامیاب ہونے سے روکے ہوئے ہیں، اس لیے ان مدارس کی حفاظت ووکالت ہم سب کا ملّی فریضہ ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

رمضان کیا پیغام دے گیا؟

مولانا سید احمد ومیض ندوی*

ماہ رمضان آیا اور رخصت بھی ہوگیا، رمضان کیا رخصت ہوا ساری رونقیں ماند پڑ گئیں، ہر طرف مردنی سی چھا گئی، پھر مساجد کے منبر ومحراب ذکر وتلاوت کی معطر فضاؤں کے لئے ترسنے لگے ہیں، رمضان ابر رحمت بن کر سب پر برستا ہے، لیکن جن کے دل بنجر زمین کی مانند ہوتے ہیں، ان کے لئے رمضان کی برسات بے فیض ثابت ہوتی ہے، رمضان عبادات واعمال کا موسم بہار ہوتا ہے، لیکن جس طرح بنجر زمین کے لئے سال کے چاروں موسم یکساں ہیں، اسی طرح قساوتِ قلبی کے شکار افراد کے لئے عبادات کا موسم بہار بے معنی ہے، وہ ہر رمضان کے بعد یوں پکار اٹھتے ہیں ''اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے''۔

جہاں تک قدردانوں کا تعلق ہے تو انہوں نے موسم بہار سے خوب فائدہ اٹھایا، اس کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جانا، انہوں نے رمضان سے بہت کچھ سیکھا، اب جبکہ رمضان گذر چکا ہے، قدردانوں کو چاہئے کہ وہ رمضان کے اسباق اور اس کے پیغام کو ایک بار پھر ذہن میں تازہ کرلیں، اور اس بات پر غور کریں کہ آخر رمضان سے حاصل ہونے والے اسباق ہمارے اندر پیدا ہوئے یا نہیں؟ رمضان ایک انقلابی مہینہ ہے، یہ دراصل نفس انسانی میں صالح تبدیلی لانے کا خدائی کورس ہے، رمضان آدمی میں درج ذیل صفات پیدا کرتا ہے یا بالفاظ دیگر رمضان سے درج ذیل پیغام ملتے ہیں:

تقویٰ:

رمضان ایک روزہ دار کو اولین فرصت میں صفت تقویٰ سے آشنا کرتا ہے، اس لئے کہ روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ ہے ارشادِ خداوندی ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (البقرہ) (تم پر روزے فرض کردیئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہوجائے) روزہ نام ہے ممنوعات سے بچنے کا، ایک روزہ دار حالت صیام میں کھانے پینے اور تمام گناہوں سے بچتا ہے، اور جو روزہ دار گناہوں سے ہی نہ بچے، اسے بھوک پیاس کے سوا کچھ

*استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

حاصل نہیں ہوتا، تقویٰ تمام صفات حسنہ کو جامع ہے، نیکی وتقویٰ کے نتیجہ میں آدمی کے لئے سارے دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے، اب جبکہ رمضان گذر چکا ہے، ہر شخص کو جائزہ لینا چاہئے کہ میری زندگی تقویٰ سے آشنا ہوئی یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس کے حصول کے لئے مطلوبہ تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔

نفسانی خواہشات سے گریز:

رمضان کا دوسرا اثر جو آدمی کی زندگی پر مرتب ہوتا ہے وہ نفسانی خواہشات سے گریز کرنا ہے، روزہ نام ہے نفسانی خواہشات سے بچنے کا، ایک روزہ دار حالت صیام میں نہ صرف کھانے پینے سے بچتا ہے، بلکہ ساری نفسانی خواہشات سے گریز کرتے ہوئے اپنے رب کی مرضیات پر چلتا ہے، دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفسانی خواہشات ہوتی ہیں، جسے نفسانی خواہشات سے بچنا نہ آیا، وہ دین کے راستہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، نفسانی خواہشات آدمی کو ہلاکت میں ڈالتی ہیں، حدیث شریف میں جن تین باتوں کو ہلاکت خیز قرار دیا گیا ہے ان میں ایک ایسی خواہش بھی ہے جس کی پیروی کی جائے، اس وقت ہر انسان خواہشات کے پیچھے دوڑ رہا ہے جس کی وجہ سے زندگی کا چین وسکون غارت ہو چکا ہے، ہر روزہ دار کو غور کرنا ہے کہ رمضان کے معمولات کے نتیجہ میں میرے اندر نفسانی خواہشات سے گریز کی صفت پیدا ہوئی یا نہیں؟

مجاہدہ:

رمضان ایک روزہ دار کو مجاہدہ کا عادی بناتا ہے، رمضان کے پورے نظام العمل پر غور کیجئے، از اول تا آخر قدم قدم پر مجاہدہ کی تربیت پائی جاتی ہے، کھانا پینا انسان کے دو انتہائی فطری تقاضے ہیں جس کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہے، لیکن روزہ کی حالت میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک ان دونوں اہم تقاضوں سے روکا جاتا ہے، علاوہ ازیں روزہ کی حالت میں ہر قسم کے گناہوں سے بچنا ضروری ہے، بالخصوص تمام اعضاء کو گناہوں سے بچانے کی تاکید ہے، اور یہ بڑے مجاہدہ کی بات ہے، افطار کے بعد جب صبح سے بھوکا انسان تھکا ماندہ ہو کر کھانا کھاتا ہے تو اسے استراحت اور آرام کا شدید تقاضہ ہوتا ہے لیکن اس تقاضہ کو دبا کر وہ نہ صرف نماز عشاء کا اہتمام کرتا ہے بلکہ ۲۰ رکعت تراویح پڑھتا ہے، جو آخری درجہ کا مجاہدہ ہے اس طرح پورا رمضان مجاہدہ کی تربیت میں گذر جاتا ہے، مجاہدہ ایک ایسی صفت ہے کہ اس کے بغیر احکام الٰہی پر عمل آوری ممکن نہیں، مجاہدہ کرنے والوں کے لئے دین کا راستہ آسان ہوجاتا ہے، ارشادِ خداوندی ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت) (جو ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان کے لئے اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں) اب رمضان کے بعد دیکھنا ہے کہ ہمارے اندر مجاہدہ پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ اگر مجاہدہ کے

عادی نہیں ہوئے تو پھر شاعر کی زبان میں ۔

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے

صبر:

رمضان بندہ کو صبر کا عادی بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے صبر کا مہینہ قرار دیا ہے، صبر تین طرح کا ہوتا ہے ایک ''صبر علی الطاعات'' دوسرے ''صبر علی ترک المعاصی'' تیسرے ''صبر علی المصائب'' یعنی ایک صبر تو یہ ہے کہ اطاعت پر جمے رہنے میں نفس کی جانب سے جو کشاکش پیش آتی ہے، اس پر صبر کرتے ہوئے احکام الٰہی پر قائم رہنا، اسی طرح گناہوں سے بچنے کے دوران نفس کی جانب سے جو کشاکش پیش آتی ہے، اس کا مقابلہ کرتے ہوئے گناہوں سے بچتے رہنا، تیسرا صبر خدا کی جانب سے پیش آنے والے مصیبتوں سے تعلق رکھتا ہے کہ آدمی گلہ شکوہ اور آہ وزاری سے گریز کرتے ہوئے مصیبت کو منجانب اللہ خیال کر کے صبر کرتا ہے، روزہ کی حالت میں ایک مسلمان کو قدم قدم پر صبر کی ضرورت پڑتی ہے، جو روزہ انسان کو صبر کا عادی نہ بنائے وہ حقیقی معنی میں روزہ نہیں ہے، ہر شخص کو جائزہ لینا چاہئے کہ گذرا ہوا ماہ رمضان اس کے لئے صبر کا سبب بنا یا نہیں، اگر جواب نفی میں ہے تو پھر وہ بھی بزبان حال کہہ رہا ہے:۔

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گذر گئے

قرآن سے لگاؤ:

رمضان کا ایک اہم ترین پیغام قرآن سے لگاؤ اور گہری وابستگی ہے، رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے، اس ماہ میں کثرت سے تلاوت کی جاتی ہے، تراویح میں مکمل قرآن سنا اور سنایا جاتا ہے ''شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن'' کے ذریعہ رمضان کی قرآن سے گہری مناسبت ذکر کی گئی اور تلاوت کرنے کا تقاضہ ہے کہ ایک روزہ دار کو قرآن سے گہری مناسبت پیدا ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ رمضان گذرنے کے ساتھ ہم قرآن سے بالکل بیگانہ ہو جائیں، قرآن سے وابستگی میں تلاوت کا اہتمام، معانی کا فہم، احکام پر عمل آوری سب داخل ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ:

رمضان جود وسخاوت کا مہینہ ہے، یہ ماہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں سخاوت کا خوب اہتمام کرتے تھے حتی کہ آپ کی سخاوت تیز ہواؤں سے زیادہ تیز ہوا کرتی تھی، رمضان کے اس سبق کو سال بھر یاد رکھنے کی ضرورت ہے، نفسانی خواہشات اور نام ونمود کے لئے تو ہم پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں جو

کہ سراسر گناہ ہے لیکن نیکی کے کاموں کے لئے ہمارے ہاتھ تنگ ہوجاتے ہیں۔

نفلی عبادات کی کثرت:

رمضان ہمیں فرائض وواجبات سے ہٹ کر نفل عبادات کی کثرت کی تلقین کرتا ہے، ہم نے رمضان میں سحری کے وقت نماز تہجد کا اہتمام کیا، روزانہ ۲۰ رکعت سنت تراویح کا اہتمام کیا اور بہت سے بندے اشراق واوابین کا بھی اہتمام کرتے تھے، چونکہ رمضان میں ہر نفل کا ثواب فرض کے برابر کردیا جاتا ہے، اس لئے نوافل کی کثرت کی جاتی تھی، نفل عبادات کا یہ ذوق رمضان کے بعد بھی برقرار رہنا چاہئے۔

اوقات کی پابندی:

رمضان کا ایک اہم ترین پیغام اوقات کی پابندی ہے، وقت پر سحری کی تکمیل ہوتی ہے، اسی طرح وقت پر افطار کیا جاتا ہے، ایک مسلمان رمضان میں جس قدر وقت کا لحاظ کرتا ہے، کسی اور مہینہ میں نہیں کرتا، اس سے گویا اوقات کی قدردانی کی تعلیم دی جارہی ہے، مگر افسوس آج سب سے زیادہ وقت کی اضاعت مسلمانوں سے ہورہی ہے۔

ہمدردی وغم خواری:

رمضان میں ہم نے اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ غمخواری کی، زکوۃ وصدقات کے ذریعہ انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کیا، رمضان کے بعد بھی یہ سلسلہ برقرار رہنا چاہئے، رمضان کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''شھر المواسات'' یعنی غمخواری کا مہینہ قرار دیا ہے، روزہ کی حالت میں جب بھوک لگتی ہے تو آدمی کو ان لوگوں کی تکلیفوں کا احساس ہوتا ہے جنہیں شام کو کھانے کے لئے ایک روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی، اخوت وہمدردی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے مسلمانوں کو اس کی تکلیف کا احساس ہونا چاہئے۔

اصلاحِ معاشرہ

خودکشی؛ اسباب وعلاج

مولانا عبدالعلیم اطہر قاسمی

انسانی زندگی وجان کی ارزانی اس قدر انتہاء کو پہونچ چکی کہ خون وجان سے زیادہ کوئی اور شئی ارزاں و سستی نہیں رہ گئی، معمولی مسائل کی تئیں قتل وخون کی گرم بازاری اور دل برداشتگی پر بطور ردِعمل خودکشی ورگِ حیات کا کاٹ دینا ایک لازمہ ہوگیا۔

کیا فی الحقیقت انسانی زندگی اس قدر ارزاں و بے قیمت ہوگئی کہ مایوسی، ناامیدی اور ناکامی کی ہر صورت میں لوگ اسی پر خنجر چلاتے ہیں؟ کیا مایوسی وناامیدی کے پس پردہ خدائی دست ہے یا انسانی فیصلے اور کامیابی وناکامی کے خودساختہ پیمانے ومعیارات؟ کیا حسد وانتقام کے ابلتے شعلہ کو صرف اور صرف قتل وخون کے ذریعہ سرد کیا جاسکتا ہے یا کسی اور واسطے سے بھی اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے؟ کیا ناکامیوں ومحرومیوں اور مایوسی سے نجات وعافیت کی راہ صرف خودکشی ہے یا کوئی اور متبادل بھی موجود ہے؟ پھر دنیاوی تکالیف ومصائب سے بچنے کے لئے جان گنوانے کے بعد آخرت کی گرفت ومواخذہ سے بھی چھٹکارا مل جائے گا؟

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات کسی اور دھرم ومذہب میں ہوں تو ہوں لیکن مذہبِ اسلام کی اطمینان بخش اور انسانیت نواز تعلیمات وقوانین میں کافی وشافی اور نہایت مدلل طریقہ سے انسانی زندگی وحیات، عزت وآبرو، مال ودولت کی قدر وقیمت کی جو پہچان کرائی گئی اور حفاظت وصیانت کا جو سامان کیا گیا، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو خودکشی وقتل وقتال کی حوصلہ شکنی کرتا اور حفاظتِ نفس اور احترامِ انسانیت پر ابھارتا ہے۔

روزنامے واخبارات کی جلی سرخیوں اور جرائم وحادثات کے کالم میں خودکشی کے واقعات کا فیصد دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پورے ملک میں یومیہ کم از کم پچاس خودکشیاں ہورہی ہیں اور اس کے پشت پر بنیادی واہم

مسائل نہیں بلکہ معمولی اور قدرے ہلکے قسم کے ذہنی تحفظات ہیں جو قابل انگیز ہونے کے باوجود برداشت نہ کئے جاسکے۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے حالیہ جائزہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ کم عمر لڑکے ولڑکیوں کے ساتھ عمر رسیدہ افراد بھی جرم خودکشی میں ملوث ہیں۔

۲۰۰۱ء میں 56.108 اور ۲۰۱۱ء میں 585,35,1 خودکشیاں ہوئیں گویا دس سال کے عرصہ میں ۲۵ فیصد اضافہ ہوا۔ متحدہ ریاست آندھرا پردیش میں یومیہ ایک قتل اور ایک خودکشی لازم ہوگئی اس کے اسباب میں قرض کا ادا نہ ہونا، عشق میں ناکامی، بڑوں بزرگوں کی تنبیہ سے دل برداشتگی، بیوی کی بے وفائی، داشتہ وآشنا کے ساتھ تعلقات، امتحان میں ناکامی وغیرہ شامل ہیں، ان میں سب سے زیادہ قتل وخودکشیاں عشق ومحبت کے معاملات میں ہورہی ہیں۔ لڑکیوں کی بہ نسبت لڑکے زیادہ متاثر ہیں ۲۰۱۱ء میں ریاست کے اندر مختلف مسائل کے 15077 خودکشیاں ہوئیں جن میں مردوں کی تعداد 10120 اور عورتوں کی تعداد 4957 بتلائی گئی ہے اور اس میں 336 صرف عشاق ہیں؛ جن میں 171 لڑکے اور 165 لڑکیاں شامل ہیں۔ عشق میں ناکامی پر قتل کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے اس کا فیصد ریاستی سطح پر 16.09 اور ملکی سطح پر 3.4 درج کیا گیا ہے؛ ہوش سے عاری حسن کا شیدا طبقۂ نوجوان یکطرفہ محبت لیے ہوئے مطلوب معشوق کو منانے ہر قسم کی ترغیب سے مائل کرنے اور اس سے بھی کام نہ چلا تو غیر محسوس طریقوں اور غیر معلوم نمبرات سے دھمکیاں دے کر حیران وپریشان کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

شادی شدہ مرد وعورتیں بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں، وہ بھی آشنا وداشتہ کی محبت میں گرفتار اور شرعی بیوی وشوہر کو راستہ سے ہٹانے میں ساعی وکوشاں۔ ذرا خبارات کی ذیل کی سرخیوں کو پڑھیئے یہ مت سمجھئے کہ یہ دیگر قوموں اور طبقوں کے لوگ ہیں بلکہ اس میں تیس فیصد مسلمان کہلانے والے شامل ہیں۔ جنہوں نے دانستہ یا غیر دانستہ اس قتل کو انجام دیا'' کلاس میں گھس کر ناریل چھیلنے والی چاقو سے معشوقہ کی کھوپڑی اڑادی' راہ چلتی لڑکی پر ایسیڈ (تیزاب) سے حملہ، جذبۂ انتقام سے بے قابو ہوکر معشوقہ کے اہل خاندان پر حملہ'' آشنا کی مدد سے شوہر کا قتل، شادی کا جھانسہ دے کر استقرارِ حمل کے بعد غیر آباد مقام پر قتل، عاشق کی دھوکہ دہی پر معشوقہ کی خودکشی، عاشق کو دوسری لڑکی کے ساتھ دیکھ کر معشوقہ نے گلا گھونٹ لیا، معشوقہ کی بے وفائی پر عاشق ریل کی زد میں، بیوی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر شوہر کی زہرنوشی، میکے سے واپس نہ آنے پر شوہر نے پھانسی لے لی وغیرہ، ان سرخیوں سے اندازہ لگائیے کہ قتل وخودکشی میں کونسا جذبہ ہے جسے بنظر استحسان دیکھا جائے یا کم از کم حد جواز میں گھسیٹا جائے۔

سماج میں ایک اور سبب ورجحان فروغ پا رہا ہے جسے شہرت اور ناموری کی خاطر جان گنوا دینا کہہ سکتے ہیں چند برس قبل جب ریاستی چیف منسٹر ہیلی پٹر حادثہ میں آنجہانی ہو گئے تو اوروں کے ساتھ مسلمانوں نے بھی خودکشی کرنی چاہی تا کہ اخبارات اور ٹیلویژن کی خبروں میں چھائے رہیں۔اسی طرح علیحدہ تلنگانہ تحریک میں ایک طالب علم نے پھانسی یا زہر نوشی کے ذریعہ جان گنوائی تو ایک طوفان برپا ہو گیا میڈیا نے اس خودکشی کو بہت نمایاں کر کے دکھایا، نیوز چینلز میں مباحثہ کے پروگرام منعقد ہوئے، کالج و یونیورسیٹز کے طلبہ نے اس ہلاک ہونے والے کی تصویر بیانروں پر لٹکا کر احتجاج کیا، جلوس نکالے گئے، چوراہوں اور اہم جگہوں پر دیوہیکل تصاویر آویزاں کی گئیں، ''مجاہد کا لقب'' دیا گیا، تعزیت کرنے والوں کا تانتا لگ گیا، اس قطار میں بڑے بڑے سیاستداں وزراء اور عہدہ دار بھی نظر آئے۔مرنے کے بعد اس قدر تشہیر وتعریف اور میڈیا کے بار بار اس خبر کو دکھانے سے اوروں کو بھی ہمت اور خودکشی کا حوصلہ ملا بہت سوں نے زندگی میں نہ سہی مرنے کے بعد شہرت حاصل کرنے اور نمایاں ہونے کے لیے اس فعل کو اختیار کرنے کی سعی کی اور بعض مسلمان بھی اس میں شریک رہے۔

عشق ومحبت کا آغاز جس طرح برا ہوتا ہے اس کا انجام اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور خوفناک ہوا کرتا ہے جواب قتل یا خودکشی کی صورت میں رونما ہو رہا ہے، اسلام نے ناجائز تعلقات کے پروان چڑھنے اور زنا کاری سے روکنے کے لیے بڑی بڑی دیواریں اور رکاوٹیں قائم کیں۔ولا تقربوا الزنا فرمایا یعنی زنا کے اسباب ومحرکات کو اختیار کرنے سے بھی منع کیا، حجاب وپردہ کا حکم نازل کیا، اجنبی مرد وعورت کی یکجائی سے روکا، اختلاطِ مرد وزن کی مخالفت کی، گھروں میں داخل ہونے سے قبل اجازت حاصل کرنے کے قوانین دیئے، عورت ومرد دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا، لیکن ان سب کو ترک کرنے کا خمیازہ حرام کاری، زنا، والدین کی آبرو باختگی زیادہ گرفت کرنے پر گھر سے فرار یا خودکشی کی شکل میں ظاہر ہے۔

خودکشی کے اسباب میں ایک سبب قرض بھی ہے، بلاشبہ جائز ضروریات کی تکمیل اور اہل وعیال کا نفقہ ادا کرنے کے لیے معاشی تنگی کی وجہ سے قرض کا حصول جائز ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض لیا ہے اور قرض دہندوں کو مقروضوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا کل یا جزوی قرض معاف کرنے اور مہلت طلب کرنے پر وقت میں توسیع کرنے کے فضائل بھی بیان فرمائے۔لیکن معاشرہ میں اکثر قرض کا حصول یا تو مکانات کی تزئین وآرائش، سجاوٹ وزینت اور عمدہ فرنیچر اور عصری آلات سے مزین کرنے کے لیے ہو رہا ہے یا دولت مندوں کی نقالی کرتے ہوئے شادی بیاہ اور تقریبات کو مثالی اور یادگار بنانے کے لیے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسی میں ہے جو پیٹ کاٹ کاٹ کر پائی پائی جمع کرتی ہے تا کہ صاحبزادے یا بیٹی کی شادی بڑی شان وشوکت سے

انجام پا سکے، مہمانوں اور خاندان والوں کی جانب سے کسی قسم کی کمی کی شکایت سننے کا موقع نہ آئے ایسے لوگ خود کو مستحق وحاجتمند بتا کر زکوٰۃ وصدقات کا مال بھی حاصل کر لیتے ہیں اگر اس سے بھی کام نہ چلا تو زمین وجائیداد کے دستاویز گروی رکھ کر سودی قرض لیتے ہیں۔ بالآخر جب اصل تو درکنار سود ادا کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور دستاویزات کے بل بوتے قرض دہندہ زمین وجائیداد ہڑپ کر لیتا ہے تو نجات کی راہ زہر، پھانسی، اور ریل گاڑی کی پٹریوں میں ملتی ہے، گویا تین گنا کا ارتکاب کیا گیا، ۱) فضول خرچی۔ ۲) قرض کی عدم واپسی۔ ۳) جرم خود کشی۔ جبکہ اسلام نے اس فضول خرچی واسراف سے روکا، کلوا واشربوا ولا تسرفوا کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو، اور فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن، سادگی اختیار کرنے کا حکم دیا اور سادہ شادی کو عظیم برکت کے حصول کا ذریعہ بنایا، اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ کسان وکاشتِ کار بھی زمین کی کاشت وتخم ریزی سے پہلے اپنی معیشت اور پونجی کا جائزہ لیتے اور ادائیگی کے بقدر قرض حاصل کرتے تو خودکشی اور آتما ہتھیا کا جرم نہ کرنا پڑتا اور نہ بارشوں اور طوفانوں سے فصلوں کی تباہی پر زیادہ افسوس کرنا پڑتا۔

امتحانات میں ناکامی یا امید سے کم نمبرات آنا اور خاطر خواہ نتیجہ نہ آنا بھی خودکشی کا باعث بنا ہوا ہے، اس کی وجہ تعلیم کو معاش کا بہترین ذریعہ اور دولت اکٹھا کرنے کا مضبوط وسیلہ بنانا ہے، بچوں کو ابتدا ہی سے اس نہج پر ڈھالا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی سبجیکٹ اور مضمون کو حاصل کرنے سے قبل آمدنی اور مادی فوائد پر نظر رکھتے ہیں، ماں باپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ چند سال محنت کر کے اولاد بڑی ملازمت اور عہدہ پر فائز ہو اور خود کفیل ہونے کے ساتھ ماں باپ کی عمر رسیدگی پر ان کی کفالت کر سکے۔ اس لیے وہ تعلیم کے لیے بہترین سے بہترین اسکولز وکالجز کا انتخاب کرتے ہیں جن کی داخلہ فیس ہی لاکھوں روپیوں تک پہونچی ہوئی ہوتی ہے، اگر مالی استعداد نہ ہو تب بھی قرض یا زمین ومکان کی فروختگی کے ذریعہ تکمیل کی راہ نکالی جاتی ہے، سرپرست اپنی اہم سے اہم مصروفیات کو ترک کر کے نامور اسکولوں وکالجز میں تعلیمی مراحل بچوں سے پورے کراتے ہیں اور زمانۂ امتحان میں دانشمند والدین بچوں کو نماز اور روزہ سے بھی دور رکھتے ہیں تاکہ تیاری امتحان میں خلل نہ پڑے، امتحان سے قبل سرپرست دوست واحباب فیس کے نام پر لٹائی گئی دولت کا وسیلہ دے کر برانگیختہ کرتے ہیں اور طالب علم بھی گذشتہ کئی برسوں سے لگاتار کی گئی محنتوں کے تئیں روپیوں کا صلہ اور محنت کا پھل حاصل کرنے کے متعلق فکرمند ہو جاتا ہے، چلیئے صاحب! امتحانات ہو گئے، رزلٹ آ گیا، امتیازی نمبرات اور کامیابی حاصل کرنے والوں کے وارے نیارے ہونے لگے تہنیتیں کی جانے لگیں، گلدستے پیش کئے جانے لگے اور مٹھائیاں تقسیم

ہونے لگیں، اسکول وکالج کا قابلِ فخر طالبِ علم کا خطاب مل گیا، حاصل کردہ نمبرات مع تصویر دیوہیکل سائن بورڈ چوراہوں اور اسکولی عمارتوں کے سروں پر لگائے جانے لگے، ان کامیاب ہونے والوں کی تعریف وتوصیف اس انداز میں کی جاتی ہے کہ ناکام یا کم نمبرات حاصل کرنے والوں کی خود بخود ہتک ہوجاتی ہے اور وہ شرمندگی محسوس کرتے ہیں، برائے نام دل بستگی کا سامان بھی کیا جاتا ہے کہ لیکن چونکہ معاشی مستقبل تاریک دکھائی دیتا ہے یا پچھلے برس کی محنتیں ضائع اور بڑی بڑی امیدیں تہہ خاک ہوجاتی ہیں ماں باپ کا سامنا کرنا باعثِ عار اور دوستوں و ہم جماعتوں سے ملنا شرمسار کردیتا ہے، ماں باپ کی صرف کی گئی دولت اور شبانہ روز کی گئی محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے، احساس کمتری کا شکار ہوکر یا تو ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں یا جان گنوادیتے ہیں، کاش! سوچا جاتا کہ اللہ نے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں رکھیں، ذہن ودماغ کی قوت ہر ایک کی الگ الگ ہوا کرتی ہے، اعلیٰ صلاحیتیں اور یاداشت کی مضبوطی بھلا روپیوں اور معیاری تعلیم گاہوں میں کیونکر خریدی جاسکتی ہے؟ انسان سے جسمانی ودماغی محنتیں تحمل کے بقدر ہی لینا چاہیے جس علم وفن میں دلچسپی نہ ہو زور زبردستی کرنا یا صلاحیت نہ ہونے کے باوجود صلاحیت مند افراد کی صف میں کھڑا کرنے کی سعی کرنا 'تکلیف مالا یطاق'' ہے اللہ تعالیٰ کے قوانین ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا'' اور ''فوق کل ذی علم علیم'' کو مدنظر رکھا جاتا اور تعلیم کو صرف اور صرف وسیلۂ معاش کے بجائے اخلاق کی درستگی اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بنالیا جاتا تو برا دن دیکھنے کی نوبت نہیں آتی اپنی ذات سے دوسروں کو نفع نہ ہو، تب بھی بقدر ہمت وقوت محنت کرنے کے باوجود ناکامی کی صورت میں اطمینان حاصل ہوگا انسان اسی تحریک سے تعمیر کا کام لیتا ہے۔ (جاری۔۔۔۔)

اسلامی ماہ وسال

ماہِ شوال المکرم اسلامی تاریخ میں

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

''شوال المکرم'' قمری سال کا دسواں مہینہ ہے؛ جو اسلام کی دینی وملی تاریخ میں اپنا نمایاں مقام رکھتا ہے، کیوں کہ یہی وہ مبارک ومسعود مہینہ ہے؛ جس کی پہلی تاریخ کو اُمت مسلمہ ''عید الفطر'' کا پُرمسرت دن پورے جوش وجذبے سے مناتی ہے نیز اس مہینے کو ''رمضان المبارک'' سے متصل ہونے کا شرف واعزاز بھی حاصل ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ماہ رمضان کے اثرات وثمرات شوال کے مہینے میں پورے آب وتاب کے ساتھ محسوس کئے جاتے ہیں۔

اسلامی سال کے دیگر مہینوں کی طرح اس مہینے میں بھی متعدد اہم تاریخی واقعات اور حوادث رونما ہوئے، جنہیں اسلامی تاریخ میں بنیادی اہمیت کا حامل گردانا جاتا ہے بالخصوص احد وحنین جیسے اہم ترین غزوات بھی اسی مہینے میں واقع ہوئے۔

شوال کی وجہ تسمیہ:

عربی زبان میں ''شوال'' کی وجہ تسمیہ سے متعلق اہل لغت کے کئی اقوال ہیں:

''شوال'' کے معروف اور مشہور معنیٰ بلند کرنے اور اُوپر اُٹھانے کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے'' شال الرّجل یدیه و شالت الناقة بذنبها'' آدمی نے اپنے ہاتھ اوپر اُٹھائے اور اونٹنی نے اپنی دُم اوپر کی۔ ''شوال المکرم'' خصوصاً اس مہینے کی ابتدائی شب اور ابتدائی دن یعنی عید الفطر کے روز بے شمار بندوں کے گناہ ان کے نامۂ اعمال سے اللہ عزوجل اُٹھا دیتا ہے، اس بنا پر بعض کا قول ہے کہ اسے ''شوال'' کے نام سے موسوم کیا گیا، ماہِ شوال کی وجہ تسمیہ سے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ ''تشویل'' سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں باہر نکلنا چونکہ اہل عرب اس مہینہ میں سیر وسیاحت کے لئے عموماً اپنے گھروں اور علاقوں سے باہر نکل جاتے تھے؛ اس مناسبت سے اس کا نام شوال رکھا گیا۔

*استاذ شعبہ عالمیت، ادارہ ہذا

شوال کے چھ روزے:

اس مہینے پر چوں کہ رمضان کی صحبت اور قرب کا اثر ایک لازمی امر ہے؛ اس بناء پر شوال کے مہینے میں چھ روزوں کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (اسے پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا، اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوگیا، جیسے نومولود بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت (گناہوں سے) پاک ہوتا ہے۔ (طبرانی)

محدثین کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ شوال کے ان روزوں کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے عید کے بعد متواتر اور پے در پے روزے رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ پورے شوال میں حسبِ سہولت رکھ لیئے جائیں تب بھی یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

اللہ عزوجل کا اپنے مقرب اور نیک بندوں سے یہ وعدہ ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا، اس اصول کی بنیاد رمضان کے 30 روزوں کا ثواب تین سو روزوں کے برابر ہوا، چنانچہ اگر کوئی اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لے تو ان کا ثواب ساٹھ روزوں کے برابر ہوگیا اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں تو گویا اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔

حضرت عائشہؓ کا نکاح:

ہمدم سید المرسلین، جگر گوشۂ خلیفۃ المسلمین، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے ۳ر برس پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم محترم میں آئیں، ۹ برس کی عمر میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ سیدہ عائشہ کے علاوہ کسی کنواری خاتون سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح نہیں فرمایا۔ ابھی ان کا بچپن ہی تھا کہ جبریل علیہ السلام نے ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر ان کی تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھلائی اور بتایا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں رفیقۂ حیات ہے۔

حضرت عطیہؓ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ہمراہ کھیل رہی تھیں ان کی انا آئی اور ان کو لے گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آکر نکاح پڑھایا، حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: "میرا نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی"۔ (صحیح مسلم)

غزوۂ احد:

تاریخ اسلام کا دوسرا اہم ترین غزوہ، غزوۂ احد ہے؛ جو ۷ / شوال ۳ھ آپ ﷺ کی ہجرت کے بتیسویں مہینے کے آغاز میں پیش آیا اس لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی جبکہ مشرکین کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

جنگِ بدر میں شکست کھانے کے بعد مشرکین مکہ کی حالت اس مچھلی کی طرح تھی جسے پانی سے نکال کر خشکی میں چھوڑ دیا جائے۔ وہ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ایک ایک دن مشکل سے گزار رہے تھے اور بھرپور انداز سے جنگی تیاروں میں مصروف تھے، ہجرت کا تیسرا ہی سال تھا، مشرکین مکہ نے تین ہزار کا لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں تیار کیا، عورتوں کی سرپرستی ابوسفیان کی بیوی ''ہندہ بنتِ عتبہ'' کر رہی تھی، یہ وہی ہندہ ہے جس نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی شہادت کے بعد ان کا جگر نکال کر چبایا جب نگلا نہ جا سکا تو تھوک دیا تھا، مسلمانوں کو جب مشرکین کی اس شورش کا علم ہوا تو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے مشرکین کا مقابلہ کرنے کے اقدامات کیے، صرف ایک ہزار کا لشکر تیار ہو سکا، ان میں سے ۳۰۰ / افراد کی کمان عبداللہ بن اُبی کے ہاتھ میں تھی، عبداللہ بن اُبی نے عین وقت پر غداری کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ چلا گیا اب ۱۰۰۰ / مشرکین کے مقابلے میں صرف ۷۰۰ / مسلمان رہ گئے، ایک طرف کفار تعداد میں بہت زیادہ اور جنگی ساز و سامان سے آراستہ تھی تو دوسری جانب مسلمانوں میں جذبہ اور ایمان کی قوت تھی، معرکہ جبلِ اُحد کے دامن میں ہوا مسلمانوں کی سرپرستی اور رہنمائی نبی اکرم حضرت محمد ﷺ نے کی جب کہ کفار کا لشکر ابوسفیان کی کمان میں تھا، ان کے پاس سات سو زرہیں دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ابتداء میں جتنے مشرک بھی مقابلے کے لئے نکلے مسلمانوں نے انہیں خاک و خون میں تڑپا دیا یہاں تک کہ جب مشرکوں کا جھنڈا اٹھانے والا کوئی نہیں رہا تو ایک عورت نے یہ جھنڈا اٹھا لیا یہ دیکھ کے پھر مشرک لڑنے کے لئے تیار ہو گئے؛ لیکن جب آخری جھنڈا بردار بھی قتل ہو گیا تو مشرک بھاگ کر بے تحاشہ دوڑنے لگے اور ان میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا اور ان کی عورتیں ہلاکت ہلاکت پکار رہی تھی مسلمان ان کا پیچھا کر رہے تھے اسی اثنا میں پیچھے درے پر مقرر مسلمان تیر اندازوں میں سے اکثر نے اپنی وہ جگہ چھوڑ دی؛ جس پر حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل (جو دونوں اس وقت مشرکین کے ساتھ تھے) نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا؛ جس سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا؛ اسی اثنا میں شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی افواہ اڑا دی جس سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈٹ کر لڑتے رہے۔

غزوۂ حنین:

جوں ہی مکہ فتح ہوا، عرب قبائل تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے؛ کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا اور قریش پر غلبہ پالیا تو وہ سچے پیغمبر ہیں اب آ آ کر اسلام قبول کر رہے تھے لیکن دو قبیلے ایسے تھے جن پر اس کا الٹا اثر پڑا یہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل تھے جو جنگ جو اور فنونِ جنگ میں ماہر سمجھے جاتے تھے ان دو قبائل نے آپس میں طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ میں حملہ کر دیا جائے اور اس کے لئے تیاریاں شروع کیں، جنگ میں اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لیا کہ ان کی حفاظت کے لئے لوگ اپنی جانیں دے دیں گے۔

اس جنگ میں کفار کے لشکر کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا جبکہ مشیر کے طور پر درید بن الصمۃ کو ساتھ لیا گیا، یہ شخص گو کہ اب سو سال کی عمر کا ہو چکا تھا لیکن شاعر تھا اور نہایت بہادر حتیٰ کے اس کی بہادری کے قصے اب بھی عرب کی داستانوں میں موجود ہیں۔ ان دو قبائل کی ذیلی شاخوں میں کعب اور کلاب نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ درید بن الصمۃ کی چارپائی لا کر میدانِ جنگ میں رکھ دی گئی، اس نے سوال کیا کہ یہ کونسا مقام ہے، اس کو بتایا گیا کہ اوطاس ہے، اس نے کہا کہ ہاں اس کی زمین نہ تو زیادہ سخت ہے نہ بہت نرم یہ میدان موزوں ہے، پھر بچوں کی آوازیں سن کے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ بتایا گیا کہ تمام اہل وعیال ساتھ ہیں تا کہ کسی کو واپسی کا خیال نہ آئے، کہنے لگا کہ جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز نہیں روک سکتی، میدانِ جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے، شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے مزید ذلت ہوگی۔ پھر پوچھا کیا کعب اور کلاب بھی اس جنگ میں شریک ہیں جب بتایا گیا کہ شریک نہیں تو کہنے لگا کہ آج کا دن عزت اور شرف کا دن ہوتا تو کعب اور کلاب بھی ضرور شریک ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی جدرد کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور وہاں کی معلومات حاصل ہونے پر جنگ کی تیاریاں کیں۔ سامان کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی تو ابوجہل کے بھائی (سگے نہیں) عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لیا، صفوان بن امیہ نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات

دیئے۔شوال ۸ / ہجری میں لشکرِ اسلام انتہائی سروسامان کے ساتھ حنین کے لئے روانہ ہوا کہ بعض صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آیا اور یہ آیت نازل ہوئی: یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے (توبہ)

مقدمۃ الجیش حضرت خالد کی افسری میں تھا اور اس میں زیادہ تر مکہ کے جدید الاسلام نوجوان شامل تھے، جبکہ ہوازن کا قبیلہ ایسا تھا کہ جنگ میں ان کا ایک تیر بھی ضائع نہیں ہوتا تھا، دوسرے کفار نے پہلے آکر تمام مناسب جگہوں پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کو حملہ کرنے کے لئے نشیب کی طرف دوڑنا پڑا تھا جس کی وجہ سے پاؤں جم ہی نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں نے صبح کا اجالا نکلنے سے پہلے حملہ کیا جب ٹھیک طرح روشنی بھی نہ ہوئی تھی، ادھر مسلمانوں نے حملہ کیا ادھر کفار کی فوجیں نکل آئیں اور آس پاس چھپے تیراندازوں نے تیروں کی بارش کر دی۔ نتیجہ یہ کہ بارہ ہزار کا اسلامی لشکر ٹوٹ پڑا، کہیں کوئی پاؤں جما کر کھڑا نہ رہ سکا، مقدمۃ الجیش کے پاؤں اکھڑتے ہی ساری فوج میں ہلچل مچ گئی اور سب کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ان اہم واقعات کے علاوہ شوال 4ھ میں حضرت ام سلمہؓ اور شوال 5ھ میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ شوال 5ھ میں غزوہ خندق پیش آیا۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ شوال 6ھ، سریہ کرز بن جابرؓ شوال 6ھ، سریہ بشیر بن سعد شوال 7ھ، غزوہ حُنین شوال 8ھ، غزوۂ طائف شوال 8ھ، شوال 11ھ وفات حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیقؓ، شوال 14ھ وفات حضرت ابوقحافہؓ، شوال 15ھ جنگ قادسیہ، شوال 16ھ فتح بیت المقدس، شوال 36ھ حضرت حذیفہؓ کی وفات، شوال 38ھ حضرت صہیب رومیؓ کی وفات ہوئی۔ شوال 43ھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی وفات، شوال 54ھ ام المومنین حضرت سودہؓ کی وفات، شوال 86ھ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی وفات، 5 شوال 92ھ کو نامور مسلم فاتح اور مشہور سپہ سالار طارق بن زیاد نے ایک لاکھ سے زائد عیسائی افواج کو 12 ہزار مجاہدین کے ہاتھوں شکست سے دوچار کیا، جبکہ شوال 94ھ میں خانوادۂ رسول ﷺ کے نامور فرزند حضرت زین العابدینؒ کی وفات ہوئی۔

علاوہ ازیں شوال کے مہینے میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں متعدد ایسے تاریخی واقعات رونما ہوئے جو اسلامی تاریخ میں بنیادی اہمیت کے حامل اور ناقابل فراموش ہیں۔

عالم اسلام

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات

مولانا ندیم الواجدی*

سعودی عرب سمیت سات ملکوں نے برادر ملک قطر سے اپنے تمام سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کر لئے ہیں، بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنے انسانی رشتے بھی توڑ لئے ہیں تو زیادہ غلط نہ ہوگا، کویت کے امیر شیخ صباح احمد الصباح نے مصالحت کی کوشش کی تھی لیکن ابھی اس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا، دنیا بھر کے مسلمانوں کی بڑی تعداد نے سعودی حکومت کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا، اگر چہ مسلم ملکوں کی حکومتیں لب کشائی نہیں کر رہی ہیں مگر سوشل میڈیا کے ذریعے عام آدمی کے دل کی پوری ترجمانی ہو رہی ہے، صرف ترکی کے صدر طیب اردگان کا استثناء کیا جا سکتا ہے جنھوں نے پوری جرأت کے ساتھ قطر کی حمایت کی اور اس کی مدد کرنے کا اعلان بھی کیا، یوں تو ایران بھی مدد دینے کو بے قرار ہے مگر اصل جھگڑے کی جڑ ہی ایران ہے، اس لئے اس کی پیش کش کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس پورے قضیے کو مسلکی اختلاف کے آئینے سے بھی دیکھنے کی کوشش ہو رہی ہے، سوشل میڈیا پر جہاں قطر کی حمایت میں لوگ کھل کر اظہار خیال کر رہے ہیں وہاں کچھ لوگ ایسے بھی سامنے آئے ہیں جنھوں نے اس حمایت کو مسلکی اختلاف کا شاخسانہ قرار دے کر سعودی عرب کی بے جا حمایت کا آغاز کر دیا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حرمین شریفین کے حوالے سے عالم اسلام کا ہر فرد سعودی عرب سے محبت رکھتا ہے، اور سعودی حکمرانوں کے لئے بھی ان کے دلوں میں نرم گوشہ موجود ہے، مگر قطر کے ساتھ جو کچھ ہوا اسے سند جواز عطا کرنے کا حوصلہ کسی میں نہیں ہے۔ سعودی عرب کی ہمدردی کی آڑ میں مسلکی منافرت پھیلانے والوں کو چاہئے کہ وہ اس پورے معاملے میں ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کر کے کوئی رائے قائم کریں، قطر پر ایران نوازی، اور دہشت گردی کی پشت پناہی کے دو سنگین الزامات لگائے گئے ہیں، ہو سکتا ہے ایسا ہو، مگر کیا قطر نے یہ کام ابھی دو چار ہفتوں یا دو چار مہینوں سے شروع کیا ہے یا وہ برسہا برس سے ایران کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے میں مصروف ہے اور دہشت گردوں کی مالی اور اخلاقی مدد کر رہا ہے اور انہیں پناہ بھی دے رہا ہے، یقینی طور پر یہی کہا

*مدیر ماہنامہ ترجمانِ دیوبند

جائے گا کہ اس طرح کے معاملات ایک دم وجود میں نہیں آتے ،اور نہ اس طرح کی چیزیں چھپ کر کی جاتی ہیں، اگر ایسا ہے تو سعودی عرب نے آج سے پہلے اس کی خبر کیوں نہیں لی ،قطر اس کے ساتھ اسلامی ملکوں کے ہلاک میں بھی ہے،عرب ملکوں کے اتحاد میں بھی شریک ہے،تیل پیدا کرنے والے ملکوں کی فیڈریشن میں بھی شامل ہے،آخر کسی جگہ اور کسی موقع پر تو اس کا اظہار ہوتا اور کبھی تو پتہ چلتا کہ قطر ایسا کر رہا ہے، یہ سوال اس وقت اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے جب ہم قطر کو یمن کے حوثی باغیوں کی سرکوبی کے لئے سعودی عرب کے شانہ بہ شانہ کھڑا دیکھتے ہیں،سب جانتے ہیں کہ حوثی باغی ایران کی مدد سے برسر پیکار ہیں گویا ان کی آڑ میں ایران ہی جنگ لڑ رہا ہے،اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ قطر ایران نواز بھی ہو اور ایران کے خلاف جنگ میں حصہ بھی لے رہا ہو، اور اگر قطر کا کردار مشکوک تھا بل کہ دوغلا تھا تو اسے آج سے پہلے ہی اتحاد سے باہر کیوں نہیں کیا گیا، بلاشبہ قطر کا نقطۂ نظر ایران کے سلسلے میں سعودی عرب سے مختلف ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایران اسٹراٹیجک اعتبار سے ایک اہم ملک ہے اسے اس طرح نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہے،لیکن اپنے اس نقطۂ نظر کے باوجود وہ اس جنگ میں سعودی عرب کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایران نواز نہیں ہے، چلئے ہم مان لیتے ہیں قطر ایران نواز ہے مگر خلیج میں کچھ اور ملک بھی ایران کے سلسلے میں بعینہ یہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں، ان میں سرفہرست کویت ہے،سوال یہ ہے کہ اس طرح کی کاروائی قطر کے خلاف ہی کیوں کی گئی ،کویت یا کسی دوسرے ملک کے خلاف کیوں نہیں کی گئی ،صاف ظاہر ہے کہ ایسا اس لئے کیا گیا کہ امریکہ ایسا چاہتا تھا۔ ریاض سے واپسی کے بعد امریکی صدر صاف لفظوں میں کہہ چکے ہیں میں نے سعودی عرب سے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ امریکہ قطر کو الگ تھلگ کیوں کرنا چاہتا ہے، جواب کے لئے بہت زیادہ دماغ کھپانے کی ضرورت نہیں ہے، افغانستان ،عراق ، لیبیا اور شام کا حشر ہمارے سامنے ہے،آج یہ تمام ملک اپنی رونقیں کھو کر کھنڈر بن چکے ہیں ،اب امریکہ کو نئے شکار کی تلاش ہے،قطر سے اچھا شکار ملنا مشکل ہے، کیوں کہ وہ خلیجی ملکوں میں معاشی ترقیات اور فی کس آمدنی کے لحاظ سے سرفہرست بھی ہے، اور بدقسمتی سے کچھ اسلام پسند بھی ہے، یہ دونوں وجوہات اسے سزا دینے کے لئے کافی ہیں، اسی لئے اسے جناب صدر کے کہنے پر سزا سنادی گئی ہے،مصالحت کی کوشش چل رہی ہے، ہوسکتا ہے کامیاب ہو جائے ، یہ بھی ممکن ہے کامیاب نہ ہو، یا امریکہ جیسے ملک اس طرح کی کسی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیں، اس صورت میں قطر کے اڑیل رویّے کو بنیاد بنا کر اس پر بمباری بھی کی جاسکتی ہے، جس طرح افغانستان پر کی گئی ،عراق پر کی گئی ، لیبیا پر کی گئی اور شام پر کی جارہی ہے، اگر ایسا ہوا تو کسی وقت اس کی زد میں ترکی بھی آئے گا کیوں کہ وہ بہت بڑھ بڑھ کر بولتا ہے، اس کی آنچ سعودی

عرب تک بھی پہنچ سکتی ہے کیوں کہ نائن الیون کے مجرموں کا تعلق سعودی عرب سے تھا، اور القاعدہ بھی سعودی شہری بن لادن کی تنظیم ہے، یوں بھی تھوڑا بہت اسلام اگر کہیں نظر آتا ہے تو وہ سعودی عرب میں ہے، قطر کو تباہ کرنا مقصود نہیں ہے، بل کہ خلیجی ملکوں کی ترقیات کو برباد کرنا مقصد ہے، کیوں کہ یہ تمام ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ دولت بھی رکھتے ہیں، گلف نیوز کی حالیہ رپورٹ کے مطابق تنہا قطر، کویت اور سعودی عرب کے پاس اس قدر دولت ہے کہ اگر وہ اپنی دولت کا صرف دس فی صد نکال دیں تو صومالیہ جیسے چھ ملکوں کے آٹھ کروڑ افراد تیس (۳۰) سال تک اپنی غذائی ضرورتوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

بائیکاٹ کے فوراً بعد سعودی عرب اور تین دوسرے ملکوں نے ایک فہرست جاری کی ہے جس میں انسٹھ (۵۹) ممتاز علماء کرام کے نام شامل ہیں جن کا تعلق مختلف عرب ملکوں سے ہے اور جو فی الوقت قطر میں مقیم ہیں اسی طرح بارہ خیراتی اداروں کو بھی اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے ان کا تعلق بھی قطر سے ہے، ان سب پر الزام ہے کہ یہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ دہشت گردی کا الزام ان شخصیات پر لگایا گیا ہے جن کا تعلق تصنیف و تالیف سے ہے، دعوت و تبلیغ سے ہے یا درس و تدریس سے ہے، ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اسلام کی بات کرتے ہیں، ان شخصیات میں اہم اور ممتاز نام مصر کے علامہ یوسف قرضاوی کا ہے جو جمال عبد الناصر کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر ۱۹۶۰ء سے قطر میں رہ رہے ہیں، نوے سال کے شیخ قرضاوی سو سے زیادہ اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ مصر کی اسلام پسند جماعت اخوان المسلمین سے وابستہ رہ چکے ہیں اور اب بھی اس کے نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں، بس یہی قصور ہے جس کی بنا پر جنرل سیسی ان کا نام دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، ورنہ آج سے قبل تو سعودی عرب سمیت تمام عرب ملکوں کے حکمراں اور عوام سب ان کے گرویدہ تھے، یہاں تک کہ چند سال قبل وہ سعودی عرب کا سب سے بڑا ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں جو ظاہر ہے کسی دہشت گرد کو نہیں دیا جا سکتا، وہ رابطۂ عالم اسلامی کے رکن بھی رہے ہیں جو عالم اسلام کی سب سے مؤثر تنظیم ہے، اس فہرست کے دوسرے افراد بھی اپنی تصنیفی، دعوتی اور اصلاحی خدمات کے حوالے سے غیر معروف نہیں ہیں، امریکی صدر کے دورے کے بعد ان افراد میں جو سالہا سال سے قطر میں مقیم تھے ایسا کیا نظر آیا کہ جو سب کے سب دہشت گرد قرار دے دئے گئے، یہ سوال بہت اہم ہے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، ان کو بھی جو مسلک کو بنیاد بنا کر سعودی عرب کی بے جا حمایت کر رہے ہیں، اور ان کو بھی جو کسی مصلحت کی بنا پر ابھی تک خاموش ہیں۔

بات اصل یہ ہے کہ اب دہشت گردی کے مفہوم کو وسعت دینے کی کوشش ہو رہی ہے، آج سے پہلے

طالبان، حماس، القاعدہ اور داعش کے مسلح جنگ جوؤں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا اب وہ لوگ بھی دہشت گرد کہلائیں گے جو اپنی کتابوں میں اسلام کی بات کرتے ہیں، جو اپنی تقریروں میں مسلمانوں کے مسائل پر بولتے ہیں، جو مسلمانوں میں اتحاد کے داعی ہیں، جو مسلم ملکوں میں اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں، جو مظلوم فلسطینیوں کے حق کی بات کرتے ہیں جو ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، اب وہ ادارے بھی دہشت گرد کہلائیں گے جو کسی بھی ملک کے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کو دو وقت کی روٹی مہیا کر دیتے ہیں یا ان کے ننگے جسموں کے لئے لباس فراہم کر دیتے ہیں، اگر امریکہ سعودی عرب جیسے ملکوں کے ساتھ مل کر دہشت گردی کو نیا رنگ نیا آہنگ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو دنیا کے دوسرے ملک بھی اس طرح کی ''دہشت گردی'' سے نمٹنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے، پھر اس کی آنچ ان مصلحت پسندوں تک بھی پہنچے گی جو خاموشی کی چادر تانے خواب خرگوش کا مزہ لے رہے ہیں، میں اپنے اس مضمون کو علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں جو خلیجی ملکوں میں جاری اتھل پتھل کے پسِ منظر میں کس قدر برمحل ہے ؎

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

(بقیہ صفحہ: ۵۰ سے)

۱۱) طواف کے دوران ٹھہر کر دعا وغیرہ کرنا۔

۱۲) طواف کرتے ہوئے بلا کسی ضرورت کے باہر نکلنا وغیرہ۔ (غنیۃ الناسک: ۱۲۶)

محرماتِ طواف

دورانِ طواف درجِ ذیل امور حرام ہیں:

۱) حیض و نفاس یا جنابت کی حالت میں طواف کرنا۔

۲) بے وضو طواف کرنا۔ ۳) ستر کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں طواف کرنا۔

۴) بلا کسی عذر کے سوار ہو کر طواف کرنا۔

۵) حطیم کے اندر سے طواف کرنا (یعنی حطیم کو شامل نہ کرنا)۔

۶) طواف کا کوئی چکر چھوڑ دینا۔

۷) گھٹنوں کے بل یا الٹا ہو کر بلا کسی عذر کے طواف کرنا وغیرہ۔ (مناسک ملا علی قاری: ۱۶۴، ۱۶۵)

(مستفاد از: کتاب المسائل: ۳/ ۲۳۲ تا ۲۴۳)

فقہ وفتاویٰ

طواف سے متعلق چند احکام

ادارہ

طواف کی حقیقت

لغت میں طواف کے معنیٰ گھومنے اور چکر لگانے کے آتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں طواف کا اطلاق بہ نیت طواف بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) کے کم از کم ۴ رچکروں سے لے ۷ رچکر لگانے پر ہوتا ہے۔(لہذا ۴ رسے کم چکروں کا طواف شرعاً معتبر نہیں ہوتا) (غنیۃ الناسک:۱۰۹)

طواف کے بنیادی ارکان

طواف کے ارکان تین ہیں:

(۱) طواف کے اکثر چکروں کو ادا کرنا۔(۲) طواف کو بیت اللہ شریف کے باہر اور مسجد حرام کے اندر کرنا۔ (۳) خود طواف کرنا خواہ کسی چیز پر سوار ہو کر کرے، الا یہ کہ کوئی احرام باندھنے سے پہلے ہی سے بے ہوش، مریض یا مجنون ہو تو اس کی طرف سے نیابت درست ہو سکتی ہے۔(غنیۃ الناسک:۱۰۹)

طواف کے صحیح ہونے کے شرائط

طواف صحیح ہونے کی شرطیں دو طرح کی ہیں، بعض شرائط کا تعلق مطلقاً طواف سے ہے، خواہ وہ حج کے طواف ہوں یا نفلی طواف ہوں، ایسی شرطیں کُل تین ہیں:

۱) مسلمان ہونا: لہذا کافر کا طواف معتبر نہیں۔ ۲) نیت طواف: اس سے مراد صرف اتنی نیت کرنا ہے کہ میں ''طواف کر رہا ہوں'' طواف کی نوعیت کی وضاحت شرط نہیں ہے۔ ۳) مسجد حرام کے اندر طواف کرنا؛ لہذا مسجد حرام کے باہر طواف شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

اور بعض ایسی شرطیں ہیں جو حج یا عمرہ کے بعض طوافوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ درجِ ذیل ہیں:

۱) احرام ہونا: یہ طوافِ عمرہ اور طوافِ قدوم کے لئے شرط ہے۔ ۲) وقت ہونا: یہ طوافِ زیارت اور طوافِ وداع کے لئے شرط ہے۔ ۳) وقوفِ عرفہ کا پہلے پایا جانا: یہ شرط بھی طوافِ زیارت اور طوافِ وداع کے صحیح ہونے کے لئے لازم ہے۔(غنیۃ الناسک:۱۰۹)

طواف کی سنتیں

۱) اضطباع کرنا: طواف کے تمام چکروں میں مردوں کے لئے اضطباع کرنا (یعنی چادر بغل میں ڈال کر داہنا مونڈھا کھولنا) مسنون ہے۔ (واضح رہے کہ اضطباع صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنا ہے جیسے طوافِ قدوم، طوافِ عمرہ وغیرہ، ہر طواف میں مسنون نہیں)۔ ۲) شروع کے تین چکروں میں رمل کرنا۔ (تنبیہ: رمل بھی صرف اسی طواف میں کرنا ہے جس کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہو)۔ ۳) آخری چار چکروں میں رمل نہ کرنا: یعنی آخری چار چکروں میں اپنی رفتار کے مطابق چلے رمل نہ کرے۔ ۴) طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا استقبال کرنا: یعنی حجر اسود کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر طواف شروع کرے۔ ۵) حجر اسود کے استقبال کے وقت تکبیر کہنا: یعنی طواف کے شروع میں استقبالِ حجر اسود کے وقت اللہ اکبر کہے۔ ۶) حجر اسود کی تکبیر کے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اُٹھانا۔ ۷) حجر اسود کا استلام کرنا: طواف کی ابتداء اور انتہاء میں حجر اسود کا استلام مسنون ہے اور درمیان میں ہر چکر میں استلام مستحب ہے۔ ۸) دورانِ طواف (رمل کے علاوہ چکروں میں) باوقار انداز سے چلنا۔ ۹) تمام چکر پے در پے کرنا۔ ۱۰) بدن اور کپڑوں کا ظاہری نجاستوں سے پاک ہونا۔ (غنیۃ الناسک: ۱۱۹، ۱۲۰)

مکروہاتِ طواف

دورانِ طواف درجِ ذیل امور کا انجام دینا مکروہ ہے۔

۱) فضول بات چیت کرنا۔

۲) خرید و فروخت یا اس کی بات چیت کرنا۔

۳) کھانا (بعض حضرات نے پینے کو بھی مکروہات میں شمار کیا ہے۔

۴) ایسے اشعار پڑھنا جن میں حمد و ثنا نہ ہو۔

۵) بلند آواز سے ذکر و دعا یا تلاوت وغیرہ کرنا، اگر اس سے طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہو۔

۶) ناپاک کپڑوں میں طواف کرنا۔

۷) حجر اسود کے استقبال سے پہلے ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھالینا۔

۸) پیشاب، پاخانہ کے تقاضہ کے وقت طواف کرنا۔ ۹) بھوک پیاس اور غصہ کی حالت میں طواف کرنا۔

۱۰) دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا یا نماز کی طرح دونوں ہاتھوں کو باندھنا۔ (بقیہ صفحہ: ۴۷ پر)